اسلام اور مسیحیت

مولانا ابوالکلام آزادؒ

اسلام
اور
مسیحیت

بار اوّل سنہ ۱۹۶۵ء

تعداد پانچسو
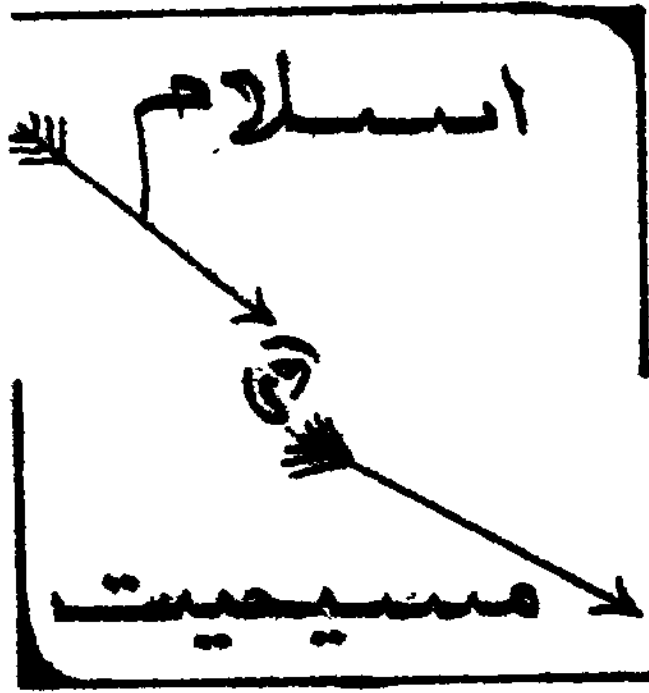
مطبوعہ:- انڈیا لیتھو پرنٹنگ پریس دہلی

قیمت دو روپئے پچاس پیسے

ناشر

تاج اردو اکیڈمی [illegible]

حرفِ مدعا

معترضین اسلام میں یہ ایک عام رجحان پیدا ہو گیا ہے کہ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے بعض دور افتادہ توجیہ کر کے مغالطے پیدا کرتے ہیں اور اس مغالطے کی بنیاد پر اپنے اعتراضات کی تشکیل و تعمیر کرتے ہیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کی غلط تشریح کر کے ابہام پیدا کرتے ہیں اس قسم کی کوششیں شرارت کے تحت کی جاتی ہیں اور ایسی کوششوں کا مقصد عوام میں گمراہی پھیلانا ہوتا ہے۔

یہ شرارت ایسے محتاط انداز میں کی جاتی ہے کہ عوام بڑی آسانی سے تذبذب میں پڑ جاتے ہیں۔ ایک ایسے ہی رقعہ کے متعلق جو بعض مسیحی پادریوں نے اٹھایا اور جس سے کچھ لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ حضرت مولانا ابوالکلام

آزادؔ نے صحیح تشریح فرمادی ہے تشریح و تصریح کا جو مدلل انداز حضرت مولانا کا ہے وہ برھان قاطع درجہ رکھتا ہے اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مفسدین کی اتہام طرازی کی ایک کوشش کو حضرت مولانا نے ناکام بنایا ہے۔ بلکہ ایک اصول کی طرف بھی توجہ دلائی ہے جس کے ذریعہ ایسی شرارت آمیز کوششوں کا مقاطعہ ہونا چاہئے۔

اس کتاب میں حضرت مولانا نے احادیث نبوی کی حیثیتوں پر بھی مکمل ومدلل بحث کرکے تلاش حق کی راہ صاف کردی ہے اور اس طرح عقیدہ و ایمان کو تقویت پہونچانے کی راہ دکھائی ہے۔

طالبان حق حضرت مولانا کے تبحر علمی اور صداقت آفرینی سے متمتع ہوکر ان کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصول ردّ و دفاع عن مطاعن منکرین

روایات ضعیف و موضوع

انکار حدیث و مصلحین متفرنجین نو

حضرت مولانا! السلام علیکم! میرے ایک نوجوان دوست جن کا نام لکھنا ابھی مناسب نہیں سمجھتا۔ اور غالباً ان کے خاندان سے جناب بھی ضرور واقف ہوں گے۔ آجکل عیسائی مشنریوں کے دام میں پھنس گئے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ انھیں اسلام کی جانب سے بدظن کیا جارہا ہے۔ وہ روز اپنے نئے عیسائی رفیقوں کے یہاں سے کوئی نہ کوئی اعتراض سیکھ کر آتے ہیں۔ اور ہم لوگوں سے جواب طلب کرتے ہیں۔ ایک کتاب اردو کی ٹائپ میں لندن میں چھپی ہوئی بھی انھیں دی گئی ہے۔ جسے وہ بطور حرز جاں کے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اس میں بھی اسی طرح کے لغو اعتراضات

اور دیکھ کر سخت ملامت کی۔ اس پر آپ نے معذرت کی اور
کہا کہ اس واقعہ کا ذکر دوسری بیویوں سے نہ کرنا۔ ورنہ مشکل ہو
گی۔ مگر انھوں نے ذکر کر دیا۔ اور آپ ایک مہینے تک اپنی تمام بیویوں
سے ناراض ہو کر بالکل الگ رہے اور اس قدر اس کا صدمہ ہوا کہ
..........، مہینے بھر تک اپنی کوٹھری بالکل نہ نکلے۔

وہ کہتا ہے۔ کہ یہ واقعہ معتبر کتب میں موجود ہے اور اس
بنا پر اعتراض کرتا ہے۔ کہ ایسا اخلاق انبیاء کا ہو سکتا ہے میں نے
اپنے یہاں کے بعض علماء سے دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا کہ
ہاں بیشک یہ واقعہ کتب معتبرہ میں آیا ہے۔ پھر جناب.....کو
لکھا۔ انھوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اب جناب سے مستدعی
ہوں کہ خدا را اپنا تھوڑا سا صرف کر کے مجھے واقعہ کی حقیقت سے
مطلع فرمائیں۔ بلکہ "الہلال" میں درج کریں۔ تاکہ تمام مسلمانوں
کے لئے ذریعہ علم ہو۔ اور مخالفوں کے دام تزویر سے بچیں۔ نیز اس
کی نسبت بھی تحریر فرمائیں۔ کہ کیا احادیث کے متعلق اس اصول
کو آپ تسلیم کرتے ہیں۔ جو میں نے مخالف کے سامنے پیش کیا۔

جمع کئے گئے ہیں۔ الحمدللہ کہ آج تک ان کے ہر اعتراض کا میں نے مسکت جواب دیا۔ اور اس کا جواب وہاں سے کوئی نہ لا سکے۔ البتہ ایک واقعہ انھوں نے ایسا بیان کیا۔ جس کے متعلق بوجہ عدم علم و واقفیت میں پوری طرح تشفی نہ کرسکا۔ لیکن چونکہ احادیث کی بناء پر جواب دیا گیا تھا۔ اس لئے میں نے صاف کہہ دیا۔ کہ ہم صرف انھیں اعتراضات کے جواب دہ ہیں جو قران کریم کی بنا پر کئے جائیں۔ صرف وہی حقیقی اور ایک ہی مجموعہ ہمارے اعتقادات و عبادات کا ہے۔ حدیثوں کو کوئی یقینی درجہ حاصل نہیں اور اس لئے ہم ذمہ دار نہیں ہیں یہی زریں اصول سر سیداحمد خاں مرحوم نے خطبات احمدیہ اور مضامین تہذیب الاخلاق میں قائم کیا ہے۔ اس پر ان کے عیسائی دوست نے جواب میں کہلایا۔ کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

انھوں نے حضرت سرورکائنات صلی اللہ وسلم کے متعلق بیان کیا ہے۔ کہ ایک مصری عورت حضور کے پاس آئی تھی اور اسے بطور لونڈی کے آپ نے رکھ لیا تھا۔ ایک دن آپ اس کے ساتھ خلوت میں تھے۔ کہ یکایک آپ کی بیویوں میں سے ایک بیوی چلی آئیں۔

۳:- البتہ بیان کردہ صورت واقعہ سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو دراصل یہ واقعہ ایلا و تخییر کی بعض روایات کی ایک مسخ شدہ صورت ہے - اور جس مصری لونڈی کی طرف اشارہ کیا ہے - اس سے مقصود ماریہ قبطیہ ہیں - بلاشبہ کتب سیر و تفاسیر میں بعض روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کی خاطر ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا - اور حضرت حفصہؓ یا حضرت زینبؓ سے کہا تھا - کہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا - انھوں نے حضرت عائشہ سے کر دیا - اور اس پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں -

لیکن اول تو آپ کے دوست مسیحی معلم کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے - بالکل غلط ہے - قرآن کریم میں کوئی واقعہ بیان نہیں کیا گیا - بلکہ صرف ایک راز کا ذکر کیا گیا ہے - جو آنحضرتؐ نے بعض ازواج پر ظاہر کیا تھا اور اس کا ذکر دوسروں سے کر دیا گیا - پھر جو روایتیں اس بارے میں موجود ہیں - ان کا کتب معتبرہ حدیث میں کہیں ذکر نہیں - صحاح کے تمام ابواب نکاح و طلاق و

خاکسار غلام سرور شاہ عفی اللہ عنہ

حضرت مولانا کا جواب

۱:- آپ نے جس کتاب کو اپنے قابل رحم دوست کے ہاتھ میں دیکھا ہے۔ وہ غالباً پادری عمادالدین کی میزان الحق وغیرہ ہو گی۔ جو لندن میں چھپی تھی۔ ازالۃ الاوہام۔ استفسار لسان الصدق، اظہار الحق وغیرہ ان ہی کتابوں کا جواب ہے۔ لیکن جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ اسے ان کتابوں سے کوئی تعلق نہیں۔

۲:- جن لفظوں اور جس صورت میں آپ کے دوست نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ قطعاً بے اصل اور حتماً کذب و افترا ہے۔ آپ پورے وثوق اور تحدی کے ساتھ انکار کر دیں۔ اور ثبوت طلب کریں۔ جن حضرات علماء سے آپ نے تحقیق فرمایا۔ اور انھوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔

ان کی نسبت بجز اس کے کیا کہوں۔ کہ اللہ ان پر رحم کرے۔ ایسے اپنوں کا وجود دشمنوں سے زیادہ مہلک ہے۔ فنعوذ باللہ من شر الجہل والجاہلین۔

نے ملل والنحل میں غزالی نے تحفۃ الاریب میں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم
نے ارشاد الحیاری وغیرہ میں دیئے ہیں۔ (رحمہم اللہ) مگر اصولاً ان
کی دو ہی قسمیں ہیں۔

(الف) وہ اعتراضات جو محض سوء تفہم یا دانستہ تلبیس و اعراض
عن الحق کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کے احکام جہاد و نکاح و طلاق وغیرہ
کے متعلق جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں یا اختلاف بیانات قرآن در
کتب مقدسہ کی بنا پر جو کچھ کہا جاتا ہے۔ ان کی بنیاد ایک صحیح اور واقعی
تعلیم پر ہے۔ اور یقیناً وہ احکام قرآن کریم میں موجود ہیں۔ لیکن
یا تو ان کی نسبت تعصب وجہل سے غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔
یا دانستہ ان سے رد و بطلان کی کوشش کی گئی ہے۔ یا سرے سے
اس اصل کو ہی قابل اعتراض قرار دے دیا ہے۔ جس پر وہ تمام
تعلیمات و احکام متفرع ہیں۔ غرض کہ اسلام کو ان باتوں کے لئے
الزام دیا ہے۔ جن کے وجود سے تو وہ منکر نہیں۔ لیکن جن وجوہ
و دلائل کی بنا پر الزام دیا گیا ہے۔ ان کا منکر و مبطل ہے۔

(ب) یا پھر وہ اعتراضات ہیں۔ جن کی بناء نہ تو کسی اسلامی

ایلا وتخییر ان سے خالی ہیں۔ اور طبری وغیرہ میں ان کا ہونا کوئی دلیل صحت نہیں۔ جب تک کہ اصول مقررہ حدیث کے مطابق ثابت نہ ہو جائے۔ علاوہ بریں متعدد وجوہ ایسے موجود ہیں۔ جن سے یہ تمام روایات موضوع اور پایہ اعتبار سے ساقط ثابت ہوتی ہیں۔ اور محققین فن کی بھی یہی رائے ہے۔ کما سیاتی انشاء اللہ۔

لیکن آپ نے ساتھ ہی ایک نہایت اہم اور اصولی موضوع بھی چھیڑ دیا ہے یعنی احادیث کے انکار و تسلیم کا سوال۔ بغیر ایک مستقل و مبسوط مضمون کے اس کا تشفی بخش جواب تو ممکن نہیں البتہ اصل سوال کے جواب سے پہلے سرسری طور پر کچھ اس کی نسبت بھی عرض کر دیتا ہوں۔

(معترضین اسلام کی ایک اصولی تقسیم)

مخالفین واعداء اسلام جس قدر اعتراضات اسلام اور حضرت داعی اسلام کے متعلق کرتے ہیں۔ خواہ وہ آج پادری عمادالدین، پادری فنڈر، سر ولیم میور اور مارگولیتھ وغیرہ نے کئے ہوں۔ یا اب سے صدہا سال پہلے ان معترضین نے جن کے جوابات ابن حزم

قابل توجہ اعتراضات ہیں - نہ کہ افترار محض و بہتان صرف -

(سب سے زیادہ خطرناک قسم)

جن لوگوں نے مخالفین ومعترضین کے اسفار وکتب سے واقفیت حاصل کی ہے - وہ تسلیم کریں گے - کہ اعتراضات کا سب سے زیادہ حصہ دراصل دوسری ہی قسم پر مشتمل ہے - اور پہلی قسم کے اعتراضات گو اصلاً زیادہ اہم ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے - اور اعدار اسلام کو اسلام کی تضحیک وتحقیر میں بھی ان سے نسبتاً بہت کم مدد ملتی ہے - یہ صدہا کتابیں جو اسلام کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں - یا لکھی جارہی ہیں - انھیں اٹھا کر دیکھیے اور ان تمام اعتراضات پر نظر ڈالئے - جو ان میں پیش کیے گئے ہیں ان میں بہت تھوڑا حصہ ان اعتراضات کا ہوگا - جو براہ راست قرآن کریم کی تعلیمات یا احادیث معتبرہ ومسلمہ کی بنا پر کیے گئے ہیں - اور تمام مجلدات یکسر مطاعن ومعائب سے لبریز ہوں گی - جو عام روایات مفسرین وکتب سیرت ومغازی کی بنا و پر کیے گئے ہیں - اور جن میں ضمناً یہ مقدمہ تسلیم کر لیا گیا ہے - کہ اسلام وپیروان اسلام کے لئے ہر مسلمان مصنف کا بیان حجت وبرہان ہے -

تعلیم پر ہے۔ اور نہ کسی اسلام کے مسلمہ واقعہ پر۔ نہ تو خود قرآن کریم میں
ان کا وجود ہے۔ اور نہ احادیث صحیحہ و معتبرہ میں۔ ان کا دارومدار صرف
ان بیانات اور روایات پر ہے۔ جو بعض مسلمان مصنفوں نے اپنی کتب تاریخ
میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج کر دیئے ہیں۔ یا عام طور پر مسلمانوں
میں بیان کی جاتی ہیں۔ اور افواہ عوام پر چڑھ گئی ہیں۔ مثلاً قصہ غرانیق
اور واقعہ حضرت زینب وغیرہ یا مثلاً یہی واقعہ ماریہ قبطیہ جو آپ کے دعوت
کو ایک نہایت مکروہ و محرف صورت میں دکھلایا گیا ہے۔

ان دو قسموں کے علاوہ بے شمار اعتراضات ایسے بھی ہیں۔ جو محض
افترا و بہتان ہیں۔ جیسے صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں مشرقی پادریوں نے
مسلمانوں کی بت پرستی کے اکاذیب مشہور کر دیئے تھے۔ اور جن کو موسیو
کاستری نے "اسلام اور بانی اسلام" میں مفصل بیان کیا ہے۔ یا آج
بھی ایسی صدہا باتیں اسلام کی طرف منسوب کر دی ہیں۔ جن کی کوئی
ادنی اور ضعیف اصلیت بھی روایات اسلامیہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ
تمام اعتراضات یکسر عداوت و تعصب اور جہل و فساد کا نتیجہ ہیں۔ جن
کو خود صاحب نظر معترضین بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہاں مقصود صرف

سننے والے کے لئے یہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اس کے دیگر احکام و
و تعلیمات کے متعلق حسن ظن قائم کرے۔ یا بعض دیگر شرائع سے
مقابلہ کر کے تسلی حاصل کرلے۔ حضرت موسیٰ نے تلوار سے کام لیا۔
حضرت داؤدؑ و سلیمان نے صدہا بیویاں رکھیں۔ اگر مخاطب ان الزامات
کو صحیح مان بھی لے۔ جب بھی زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ حاصل کر سکتا ہے
کہ قرآن کریم کتاب مقدسہ عتیقہ کو ایک درجہ میں رکھنا چاہئے۔

لیکن برخلاف اس کے دوسری قسم کے اعتراضات و مطاعن
اپنی معاندانہ تاثیر و نفوذ میں ان اعتراضات سے بالکل مختلف ہیں ان
میں اس زندگی کی تصویر دکھلائی جاتی ہے جو تعلیمات اسلامیہ کی
حامل ہے۔ اور جس کی رسالت و نبوت کی صداقت پر قرآن و اسلام
کی حقانیت موقوف ہے۔ یہ تصویر نہایت مکروہ ہوتی ہے۔ اور
شیطان کفر و ضلالت اعداء اسلام کے اندر حلول کر کے اس کے
خال و خط درست کرتا ہے۔ نعوذ باللہ انسانی معاصی و رذائل کے
تمام اعمال سیئہ اس میں جمع کئے جاتے ہیں۔ اور ایسے ایسے قبائح و
فضائح کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جو انسانی بداخلاقی کی

سب سے بڑا ابلیسی وسیلہ اعدار اسلام کے پاس یہ ہے۔
کہ حضرت داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ و مقدسہ کو
دنیا کے سامنے ایسی مکروہ و معیوب شکل میں پیش کیا جائے۔ کہ جسکے
دیکھتے ہی طبائع میں نفرت و کراہت پیدا ہو جائے۔

یہ مقصد پہلی قسم کے اعتراضات سے حاصل نہیں ہو سکتا۔
قرآن کریم میں جہاد کا حکم ہے۔ تعداد ازدواج کی اجازت ہے طلاق
کو جائز بتلایا ہے۔ قوم عاد و ثمود کے تاریخی مقامات کا ذکر ہے۔
حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السّلام کا خانہ کعبہ بنانا بیان کیا گیا ہے۔
حضرت مریم علیہا السلام کو ملامت کرنے والوں نے "یا اخت ہارون"
کہا ہے۔ معترضین اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ احکام جہاد کو ظالمانہ
بتلاتے ہیں۔ تعداد ازدواج اور طلاق کو اخلاقاً معیوب کہتے ہیں۔
قوم عاد اور ثمود کے متعلق تاریخی ثبوت طلب کرتے ہیں۔ حضرت
ابراہیم کے بنائے کعبہ کا ثبوت تورات مانگتے ہیں حضرت مریم کا "اخت
ہارون" ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تاہم ان تمام اعتراضات
سے اسلام کے محاسن و فضائل پر بالکل پردہ نہیں پڑ جا سکتا۔ اور

..... اس سے طلاق دلا کر خود اپنے نکاح میں لے آیا۔

یہ ایک نہایت دقیق نکتہ ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں۔ اور اس وقت تک بہت کم اس پر توجہ کی گئی ہے۔

(ان مطاعن کا سرچشمہ)

اس قسم کے تمام مطاعن و معائب میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کا ایک بڑا حصہ تو خود معترضین کے القاء کفر و ضلالت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ البتہ معاندانہ حذف و اضافہ اور تحریف و تلبیس کو الگ کر دینے کے بعد دیکھا جائے۔ تو اس کی بنیاد میں کوئی بات ایسی ضرور نکل آتی ہے۔ جو یا تو کسی مسلمان مصنف کا بیان ہے۔ یا کوئی روایت اور اثر ہے۔ یا پھر کوئی قصہ ہے جو عام مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھ گیا ہے۔

معترضین عموماً یہ کرتے ہیں۔ کہ اسلامی تصنیفات کے متعلق ایک سطحی اور سرسری واقفیت حاصل کر کے چند کتابیں تفسیر اور سیرت یا قصص و فضائل کی اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں۔ اور اس میں جس قدر روایتیں اس قسم کی پاتے ہیں۔ جن کی بنا پر اسلام کی صداقت

انتہا ہیں۔ اور درجہ نبوت و رسالت تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ ایک شریف دنیا سے خیال شخص کی زندگی بھی ان سے ملوث نہیں ہو سکتی۔ کذلک یؤفک الذین کانوا بآیات اللہ یجحدون (۴۰ - ۶۵)

لیکن یورپ اور امریکہ میں عام طور پر جو توحش و تنفر اسلام کی طرف سے پھیلا ہوا ہے۔ وہ زیادہ تر انہی تلبیس و شیطنت کا نتیجہ ہے ان مفتریات کو پیش کر کے سادہ ذہن مخاطب اس درجہ اسلام سے متوحش ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی کسی حسن و فضیلت کا اسے تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیشہ کے لیے حسن ظن و تلاش حقیقت کا سد باب ہو جاتا ہے۔

لیکن فی الحقیقت قسم اول کے اعتراضات اس درجہ اسلام کیلئے مضر نہیں ہیں۔ جس قدر دوسری قسم کے اور آج اعداء اسلام کے ہاتھ میں سب سے زیادہ خطرناک حربہ بھی مفتریات ہیں۔ کسی مذہب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بزور شمشیر پھیلا۔ سننے والے کو اس درجہ متاثر نہیں کر سکتا۔ جس قدر اس افترا کا پیش کرنا کہ نعوذ باللہ اس کا بانی اپنے متبنٰی کی بیوی کو برہنہ غسل کرتے دیکھ کر فریفتہ ہو گیا اور بالآخر

تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں سے لی جاتی ہیں ۔

(فتنہ اصلاح و اجتہاد جدید)

یہ ایک نہایت اہم اور اصولی بحث ہے ۔ کہ اس قسم کے اعتراضات اور مطاعن کے لیے صحیح اور حقیقی طریقہ جواب و رد کا کیا ہے ؟

ہمارے زمانے میں ایک نیا گروہ مصلحین و متکلمین کا پیدا ہوا ہے جس نے اپنی قابل تعریف بیداری و باخبری سے پہلے پہل ان اعتراضات سے واقفیت حاصل کی ۔ اور چاہا کہ ان مطاعن کی آلودگی سے اسلام کے دامن کی تنزیہ و تقدیس ثابت کرے ۔ اس کی مستعدی مستحق اعتراف ہے اور اس کی نیت سعی قابل تحسین ۔ لیکن افسوس ہے ۔ کہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا تھا ۔ اسکے لیے مستعدی و آمادگی تو اس کے پاس ضرور تھی ۔ پر اسباب و وسائل یکسر مفقود تھے ۔ اس کا دماغ کار کن اور اسکا فہم طالب اجتہاد تھا لیکن نہ تو اس کے پاس نظر علم پیدا تھی ۔ جو معین مقصد ہوتی ۔ اور نہ ہی فکر واقف کار تھا ۔ جو سامان مہیا کرتا ۔ نہ تو اسے علوم اسلامیہ کی خبر تھی نہ فن حدیث و اثر پر نظر تھی ۔ نہ اصول فن سے اس نے واقفیت حاصل کی ۔ اور نہ اسفار و مصنفات محققین و ائمہ قوم پر نظر ڈالی جس طرح اسلام کے حریفوں نے اس پر طعن کرتے

اور بانی اسلام کی زندگی پر طعن و قدح کیا جا سکتا ہے۔ انھیں کمال عیسایانہ ہوشیاری اور پوری مفتریانہ چالاکی کے ساتھ ایک جا کر لیتے ہیں۔ پھر اپنے اکاذیب و مفتریات کا ان پر اضافہ کرتے ہیں۔ اور مفید مطلب توجیہہ و تعلیل کے ساتھ ترتیب دے کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں کہ ناواقف ان کے استدلال اور استشہاد سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

وہ عموماً کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان روایات کو نقل بھی کر دیتے ہیں جن سے ان کا استدلال ہوتا ہے امریکن مشن نے عربی زبان میں جو کتاب بلاد مصر و شام کے لئے شائع کی تھی۔ جو چار ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ اور جس کا نام الہدایہ ہے۔ اس میں اول سے لے کر آخر تک ہر اعتراض کے ساتھ کوئی نہ کوئی روایت بھی پیش کی ہے۔ غیروں کے علاوہ خود ناواقف مسلمانوں پر بھی ان حوالوں کا بہت اثر پڑتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جب خود اسلامی روایات میں یہ واقعات موجود ہیں تو ان سے کیوں کر انکار کیا جا سکتا ہے۔؟

اس قسم کی روایات زیادہ تر تفسیر اور عام کتب سیر و تاریخ میں ہیں۔ یا حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم مدارج کتب حدیث کے مطابق

کیے جاتے ہیں۔ سرے سے فن حدیث ہی کی تضعیف وتحقیر شروع کر دی حتّٰی کہ صاف فیصلہ کر دیا کہ چونکہ حدیثیں اکثر خبر آحاد ہیں اور خبر آحاد مفید یقین نہیں اس لئے حدیث فی الحقیقت کوئی شے نہیں ہے۔ اسکے جواب کے ہم ذمہ دار نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسطرح انھوں نے ایک فتنہ سے بچنے کیلئے اپنے وجود کو دوسرا فتنہ بنا دیا۔ اور دشمن نے چونکہ مکان کے شاگرد پیشہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسلئے اس کے ہلاک کرنے کے لئے پوری عمارت میں آگ لگا دی۔ عزیز من! یہ اسلام کی حمایت نہیں ہے....

....بل ھی فتنۃ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

وقت تفصیل کا متحمل نہیں۔ اس لئے میں نہایت سرسری اشارات کروں گا۔ اگر فن وار باب فن پران بے خبروں کی نظر ہوتی تو وہ سمجھتے کہ مخالفین کے حملوں سے بچنے کے لئے اس مہلک اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک محفوظ و مصئون طریق کار پیشتر سے موجود ہے۔ اور بغیر اسکے کہ کسی جدید مصلح و مجدد کو اپنے عزم اجتہاد کے اعلان کی ضرورت ہو۔ خود محققین فن نے اس بارے میں جو اصول و قواعد وضع

ہوئے اپنے جہل پر اعتماد کیا۔ اسی طرح اسلام کے ان حامیوں نے ان کا جواب دیتے ہوئے صرف اپنے بے خبرانہ جذبۂ دینی کو کافی سمجھا چونکہ انھیں اپنی قوت کی خبر نہ تھی۔ اور صرف اپنی فکر و دماغ ہی پر اعتماد تھا۔ اس لئے وہ حریفوں کی سطوت سے مرعوب ہو گئے۔ اور قابل اعتراض روایات و بیانات کا انبار دیکھ کر اس طرح گھبرا گئے۔ کہ ان میں رد و تحقیق کے لئے کوئی قوت فعال باقی نہ رہی۔ اور ان کا رستہ کار حریفوں کی قوت اور استیلا کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

اس گھبراہٹ میں انھوں نے اپنے تئیں بالکل مجبور پایا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ کہ اپنے کسی جدید خود ساختہ اصول کی بنا پر احادیث و روایات کی صحت ہی سے قطعی انکار کر دیں اور اس طرح ان کے جواب کی ذمہ داری سے بآسانی سبکدوش ہو جائیں بجائے اس کے کہ وہ ان روایات کی حقیقت و اصلیت کو واضح کرتے۔ انھوں نے اس قسم کے مجتہدانہ اصول وضع کرنا شروع کر دیئے جن کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو معترضین کے فتنہ سے بھی بڑھ کر ایک داخلی فتنۂ عظیم اسلام میں پیدا ہو جائے۔

اعاذنا اللہ من شرھا و شر الجھل والفساد۔

مثلاً انھوں نے ان اعتراضات سے بچنے کے لئے جو احادیث کی بنا پر

یقیناً اور حتماً احادیث صحیحہ کا درجہ ہے۔ اور بغیر کسی خوف اور تامّل کے اس کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ کہ حدیث صحیح ایک ایسا مصدر علم ضرور ہے جو ہمارے لئے دلیل اور حجت ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح ہم اپنے داخلی اعمال میں حدیث کے معترف و معتقد ہیں بالکل اسی طرح خارج کے اعتراضات میں بھی ان کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن حدیث ایک مدون و منضبط فن ہے۔ جس کے اصول و قواعد ہیں۔ اور اس کی جمع و ترتیب کا کام صدیوں تک جاری رہا ہے۔ اس لئے صحت و اعتبار کے لحاظ سے مختلف طبقات و مدارج میں منقسم ہو گیا ہے اس کی بنیاد انسانوں کی روایت پر تھی اس لئے اصول وضع کئے جاتے ہیں۔ اس پورے کرۂ ارضی کے اندر جس میں انسان نے ہزارہا برس کے تجارب و محن کے بعد صدہا علوم و فنون تک رسائی حاصل کی ہے اور ہر قوم نے علم کی تفتیش و تدوین میں حصہ لیا ہے۔ بخوف دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ کسی علم و فن کو بھی انسانی دماغ نے اس درجہ منضبط اور سعی انسانی کی انتہائی حد تک مرتب و مہذب نہیں کیا۔ جیسا کہ علمائے سلف نے فن حدیث کو۔ اور یہ ایک مخصوص شرف و مزیت علمی ہے۔

کردیئے ہیں۔ ان ہی کے مطابق چل کر ہم بہتر سے بہتر تحقیق و دفاع ادا کر سکتے ہیں۔

(اصول بحث و مسلک صحیح و مستقیم)

اصل یہ ہے۔ کہ یہ تمام نتائج جہل و بے خبری کے ہیں اور وہ بیخبری ہمارے مخالفین اور ہمارے حمات و مصلحین دونوں کے حصے میں آئی ہے۔ ہمارا اولین فرض یہ ہے۔ کہ ہم معترضین کو بتادیں کہ قرآن کریم کے بعد ہمارے لئے حجت و دلیل کون کون سے مصادر علم و اعتماد ہو سکتے ہیں۔؟ نیز یہ کہ کیا کسی روایت کا کسی کتاب میں درج ہونا اس کے لئے کافی ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے لئے حجت ہو سکے۔ اور اس بارے میں ائمہ سلف نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں یا نہیں۔؟"

درحقیقت انہی دو سوالوں کا جواب آجکل کے صدہا داخلی و خارجی مباحث اختلافات کیلئے بمنزلہ اصل و اساس کے ہے۔ اور جس قدر مشکلات ہمیں نظر آتی ہیں۔ اور جس قدر ٹھوکریں ہمنے مصلحین نے کھائی ہیں۔ وہ تمام تر اسی اصولی بحث کے افراط و تفریط کا نتیجہ ہے۔

ان دونوں سوالوں کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کے بعد

کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول درجے میں وہ موطاء امام مالکؒ اور صحیحین کو قرار دیتے ہیں۔ اور بقیہ کتب صحاح ستہ کو دوسرے درجے میں رکھتے ہیں۔ اس کے بعد دارمی۔ ابویعلیٰ، ابن حمید طیالسی کے مسانید اور عبدالرزاق ابن ابی شیبہ۔ حاکم۔ بیہقی۔ اور طبرانی وغیرہ کے مجموعے ہیں انھیں تیسرے درجے میں قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اسمیں رطب و یابس ہر طرح کا ذخیرہ ہے۔ یہاں تک موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے سنن ابن ماجہ کو بھی اسی درجہ میں قرار دیا ہے مگر اس کے خلاف رائیں زیادہ ملیں گی۔

چوتھے درجے میں کتب حدیث کا تمام بقیہ حصہ داخل ہے علی الخصوص تصانیف حاکم ابن عدی۔ ابن مردویہ خطیب تفسیر ابن جریر طبری، فردوس دیلمی۔ ابونعیم صاحب حلیہ ابن عساکر وغیرہ وغیرہ عام کتب تفاسیر و دلائل و خصائص و قصص کا سرچشمہ یہی کتابیں ہیں۔

ان بزرگوں نے اپنا مقصد کتب صحاح کے جامعین سے بالکل مختلف قرار دیا تھا۔ اس مقصد کی بے خبری ہی سے تمام مشکلات پیدا ہوئیں۔ اب کسی شہادت کے پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی میں

امت مرحومہ کی جس میں دنیا کی کوئی قوم شریک وسہیم نہیں۔ الاقصة بطولها ؛۔

پس ضروری ہے کہ جس حدیث سے ہمارے سامنے استدلال کیا جائے۔ اس کی صحت اصول وقواعد مقررہ فن اور علوم متعلقہ حدیث سے ثابت بھی کردی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا۔ تو ہمارے نے کسی طرح بھی دلیل وحجت نہیں ہوسکتی۔

(ایک عام غلط فہمی)

ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے۔ کہ فن حدیث کے طبقات ومدارج اور محدثین کے طریق جمع واخذ پر لوگوں کی نظر نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ تفسیر وسیر اور مغازی وملاحم کی کسی کتاب میں بسلسلہ اسناد کسی روایت کا درج ہونا اس کے لئے کافی ہے۔ کہ اسے تسلیم کرلیا جائے۔ حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ اور خود محدثین نے اس غلطی کو کبھی جائز نہیں رکھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں جو تصریحات اس بارے میں کردی ہیں۔ وہ قدماء کی تصنیفات سے مستغنی کردیتی ہیں۔ انھوں نے باعتبار صحت وشہرت وقبول کتب احادیث

جائے۔ اور اس کے اصول و قواعد ان کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد ان سے بحث کی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو باوجود اس واقفیت کے جو مجھے معترضین کے ذخیرہ کثیرہ مطاعن و معائب سے ہے۔ اور باوجود ان مشکلات کا کامل اندازہ کرنے کے جو ہمارے نئے مصلحین و مجتہدینؒ اور متکلمین قرن جاری کو ردِ مطاعن اور دفع اعتراضات و شکوک میں پیش آتی ہیں۔ میں پورے طمانیت قلب اور وثوق کامل کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ احادیث معتبرہ کی بنا پر کوئی دقت نہیں اس راہ میں پیش نہیں آئے گی۔ اور نئے اجتہادات و تجدیدات کا طوفان اٹھانے کی بالکل ضرورت نہ ہوگی۔

یہی وہ مقام ہے۔ جہاں آکر باوجود اتحاد مقصد و علم کی عزت مجھے نئے مصلحین متفرنجین سے علیحدہ ہوجانا پڑتا ہے۔ اور باوجود ان کاموں سے ۔۔۔۔۔۔ و غیر جامدانہ و غیر متقشفانہ واقفیت کے۔ میرے دل میں ان کے لئے کوئی حسن اعتقاد و اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔ بلاشبہ ضرورتیں شدید اور نظر و تحقیق کی داعیات ناگزیر ہیں۔ یقیناً ہمارا مقابلہ سخت اور بہت سے عوارض و جزئیات میں بالکل نئے قسم کا

نے اس لئے زور دیا تاکہ مخالفین اسلام یہ نہ سمجھیں کہ ان کے اعتراضات سے بچنے کے لئے یہ کوئی نیا اصول قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ اصول ہمیشہ سے موجود ہے۔ اور جس طرح ہم اب سے آٹھ سو برس پہلے صرف ان ہی احادیث کو تسلیم کرتے تھے جو قواعد مقررہ فن سے ثابت ہو جائیں۔ اسی طرح آج بھی صرف ان ہی روایتوں کو تسلیم کریں گے۔ جو خود ان روایات کے جمع کرنے والوں کے مقررہ اصول کے مطابق ثابت کر دیجائیں۔

یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ علی الخصوص کتب تفسیر و سیرت و مغازی اور قصص انبیاء سابقین اور اسرائیلیات کے متعلق ابتدا سے ائمہ فن نے یہی رائے دی ہے۔ اور حضرت امام احمدؒ کے زمانے سے جب کہ انھوں نے "ثلاثۃ کتب لیس لہا اصل۔ المغازی والملاحم والتفیر" کہا تھا۔ حفاظ حدیث کے آخری عہد تک جب کہ ابن حجر۔ ابن تیمیہؒ۔ ابن قیم اور حافظ ذہبی رحمہم اللہ نے کتابیں تصنیف کیں تمام محققین فن کا طرز عمل اسی کا مؤید رہا ہے۔

(خلاصہ مطلب)

پس ضرور ہے۔ کہ اس امر کو اچھی طرح معترضین اسلام پر واضح کر دیا

وفعلاً ہمارے سامنے موجود ہے۔ درحقیقت ایسا کرنا اصول تفقہ امت اور مصادر شریعت وعلوم شرعیہ میں ایک سخت اختلال وانتشار پیدا کرنا ہے جس کا نتیجہ مہلک اور جس کے عواقب فساد آلود ہیں۔

ہے۔ اور یہ بھی بالکل صحیح ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے حریف کے وجود سے خبردار ہوئے۔ اور میدانِ کارزار میں نکلے ان کی مستعدی و ہوشیاری اور سعی و محنت کا پوری طرح اعتراف کرنا چاہئے۔ لیکن تاہم ان میں سے کوئی بات بھی اس کے لئے مستلزم نہیں ہے۔ کہ ناواقفیت کو مجتہد العصر اور لاعلمی و بیخبری کو صاحب الامر تسلیم کر لیا جائے۔ اور بلاضرورت دشمنوں کے مقابلہ میں ایسا اسلحہ اٹھایا جائے جس کا پہلا وار خود اپنے ہی گردن پر پڑے۔

جب کہ ہم اصول و قواعد فن کے مطابق چل کر بعینہ وہی مقصد حاصل کر سکتے ہیں جو ان لوگوں کے پیش نظر ہے۔ تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ محض اپنے فہم و قیاس شخصی کا نام "درایت و احتجاج عقلی" رکھ کر ان علوم مسلّمہ اسلامیہ کی تضعیف و تحقیر بل انکار و انہدام کے درپے ہو جائیں۔ جو خزانہ امت کا راس المال و اشرف ترین مصادر علوم دینیہ و سرچشمہ معارف و حقائق اسلامیہ و تاریخ صدر اول و سیرت حضرت ختم المرسلین ہے۔ اور جس کے لئے خود صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین۔ اور تمام سلف صالح۔ بل اجماع جمیع امت مرحومہ من بدایۃ علمھا الی زماننا ھذا اقوالہ

فان فاؤ فان اللہ غفور رحیم۔ وان عزموا الطلاق۔

فان اللہ سمیع علیم۔ (بقرہ ع - ۲۸) جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں۔ ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے اگر اس وصے میں رجوع کریں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کریں۔ تو بھی اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایلا کریں۔ یعنی اپنی بیوی سے علیحدگی کی قسم کھا بیٹھیں انہیں چار مہینے کے اندر ملاپ کر لینا چاہئے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا۔ تو ایلا ساقط ہو جائے گا۔ البتہ قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا۔ تو محض ایلا کی مدت کے اختتام پر طلاق پڑ جائیگی یا نہیں۔؟ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ اس صورت میں بھی طلاق نہیں پڑتی اور عورت مرد سے نہیں چھوٹتی۔ اگر مرد عورت کو بالکل معلق چھوڑ دینا چاہے گا۔ تو اسے قید رکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ عورت کی طرف رجوع کرے۔ یا طلاق دے کر فیصلہ کرے۔ مگر فقہائے حنفیہ کے نزدیک محض انقضائے مدت ہی عورت کے حق میں

اصل مسئلہ المسئولہ عنہا

یہاں تک تو حضرت اس ٹکڑے کا جواب تھا۔ جو جناب نے احادیث کے اتحاد و عدم اتحاد کی نسبت دریافت فرمایا تھا۔ اور جو ضمناً اصول ردو و فاع منکرین اسلام کے متعلق ایک نہایت اہم اور دقت کی بحث تھی۔ اب آپ کے اصل سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

آپ کے نوجوان دوست کے مسیحی معلم جس واقعہ کو اپنی معاندانہ و ابلیسانہ تحریف و سازش کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے اس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کتب تفسیر و سیرت میں "واقعہ ایلاء و تخییر" کے نام سے مشہور ہے:

(۱) ایلاء" اصطلاح فقہ و حدیث میں شوہر اور بیوی کی اس علیحدگی کو کہتے ہیں۔ جو بغیر طلاق کے عمل میں آئے۔ اور جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر غصہ کی حالت میں کوئی قسم کھا بیٹھے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اس کا ماخذ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے

للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعۃ اشھر

یں۔ صحیحین کے شروح میں سے فتح الباری، عینی اور نوری شرح مسلم
کی پیش نظر ہیں۔ ان سب سے جو مشترک اور صحیح واقعہ ثابت ہوتا ہے۔
پہلے اسے بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کے پیش کردہ واقعہ کی
نسبت مع بعض اہم متعلقہ مباحثہ کے عرض کروں گا۔

(ازواج مطہرات کا مطالبہؓ)

(۴) اگر کسی مدعی انسان کی زندگی کے حالات و واقعات اس کی
صداقت و تقدیس کے معیار ہو سکتے ہیں۔ تو اس آسمان کے نیچے فی
الحقیقت ایک ہی انسانی زندگی ہے۔ جس کے سوانح و حالات میں سے
ہر شے اس کے صداقت و ربانیت کے لئے معجزات قاہرہ و براہین قاطعہ
ہیں یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔

جس وجود اقدس کے ظہور نے دنیا کی بڑی بڑی شہنشاہیوں کو
نابود کر دیا۔ جس کی ہیبت الٰہی اور سطوت ربانی کے آگے تاجدارانِ
عالم کے تخت الٹ گئے۔ جس کے غلاموں کے سامنے کسریٰ کا خزانہ آنے
والا ہے اور قیصر کا خزانہ پہنچنے والا تھا جو اپنی حیات طیبہ ہی کے اندر عرب
و یمن کی شہنشاہی کو اپنے قدموں پر دیکھتا تھا۔ اور فی الحقیقت جس کے

طلاق بائنہ ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایک مرتبہ ایلاء کی صورت پیش آئی۔ آپؐ نے عہد فرمایا تھا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ واقعہ ایلاء سے یہی واقعہ مقصود ہے۔ اور یہی شان نزول ہے۔ آیات سورہ تحریم کا۔

(۳) یہ واقعہ بہ تفصیل صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اور علی الخصوص صحیحین کے مختلف ابواب و کتب میں متعدد روایات و اسانید سے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ اس واقعہ کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ اور مختلف قسم کے احکام ان سے نکلتے تھے۔ اس لئے حضرت امام بخاری رضی اللہ عنہ اپنی عادت کے مطابق مختلف ابواب میں اسے درج کیا ہے۔ اور مختلف احکام نکالے ہیں۔ ابواب نکاح و طلاق اور ایلاء میں تو اصلی حیثیت سے آیا ہے۔ مگر کتاب التفسیر میں بہ ضمن سورہ تحریم کیونکہ اس کا شان نزول یہی واقعہ ہے۔

میں نے ان تمام ابواب کی احادیث پیش نظر رکھی ہیں۔ نیز صحیح مسلم۔ بقیہ کتب صحاح۔ تفسیر امام طبری۔ ابن کثیر اور در منثور بھی سامنے

میں اپنے پروردگار کے یہاں شب باش ہوتا ہوں۔ جو مجھے کھلاتا ہے۔ اور سیراب کرتا ہے۔

ابتدائی فتوحات اسلامیہ کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اور مال غنیمت اس کثرت اور افراط سے آتا تھا۔ کہ اس کا صرف ایک حصہ پاکر عام مسلمان خوشحال و صاحب مال بن جاتے تھے۔ مگر خود اس سلطان کونین اور محبوب رب المشرقین کو ایک فقیر الحال زندگی کی بھی ضروریات و مایحتاج حاصل نہ تھیں۔

(۵) ان حالات کو صحابہ کرام دیکھتے تھے۔ اور جوش محبت و جانثاری سے بیقرار ہو ہو جاتے تھے۔ سب سے زیادہ اس کا اثر آپ کی ازواج مطہرات پر پڑتا تھا۔ جنہوں نے گو دنیوی جاہ و جلال پر اس محبوب رب العالمین کے حجرۂ فقر و فاقہ ترجیح دی تھی۔ تاہم وہ انسان تھیں انسانی خواہشیں اور ضرورتیں رکھتی تھیں۔ عیش و آرام کے ساز و سامان نہ سہی لیکن ایک فقیر سے فقیر زندگی کے لئے بھی کچھ نہ کچھ سامان حیات و منزل کی طرف ہوتی ہے۔ اس کا خیال تو انھیں ضرور ہوتا تھا۔ ان میں سے اکثر بی بیاں ایسی تھیں۔ جو امارت و ریاست کے گھروں

کے لئے دنیا کے تمام خزانے اور طاقتیں وقف۔ اور جس کی مرضی کیلئے رب السمٰوٰت والارض کی تمام پیدا کردہ قوتیں، سربسجود تھیں۔ بایں ہمہ اس نے خود اپنے لئے جو دنیوی زندگی اختیار کی تھی۔ اس کا حال یہ تھا۔ کہ تمام عمر کبھی بھی دونوں وقت شکم سیر ہو کر غذا تناول نہ فرمائی۔ اور دو دو دن تک۔ آپ کے حجرۂ فقر میں غذا کی تیاری کے نشانات یکسر معدوم ومفقود رہے۔ صلی اللہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

اس بارے میں تصریحات سیرت واحادیث اس درجہ مشہور ہیں۔ کہ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے یاد نہیں کہ کوئی دن آنحضرت پر ایسا گذرا ہے۔ کہ صبح وشام دونوں وقت شکم سیر ہو کر غذا میسر آئی ہو۔

اس روح الٰہی اور پیکر صفات ربانی کی غذا اس خاکدان ارضی پر نہ تھی۔ جس کی اسے آرزو اور جستجو ہوتی۔ اس کا سفرہ لذائذ ونعائم وہاں بچھتا تھا۔ جہاں کے لئے جسم کی تشنگی آب زلال اور معدہ کی بھوک غذائے حیات ہے کہ

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (رواہ البخاری)

پائی تھیں۔ ان تمام حالات کا قدرتی نتیجہ یہ تھا۔ کہ انھیں اپنی تنگ دستی اور غربت و فقر کا احساس ہوتا اور جو شہنشاہ تمام دنیا کو سب کچھ دے رہا تھا۔ اس سے کچھ نہ کچھ اپنے لئے بھی مانگتیں علی الخصوص جب کہ اس کی محبت و عشق کا ان میں سے ہر ایک کو ناز تھا۔ اور جو کچھ اپنے لئے مانگنے والی تھیں وہ بھی دراصل اسی کیلئے طلب کرنا تھا۔

(۲) چنانچہ ازواج مطہرات کی طرف سے آپ پر توسیع نفقہ کے لئے تقاضے شروع ہوئے۔ اور ایک مرتبہ تمام بیبیوں نے مل کر زور ڈالا۔ کہ ہماری حالت اس فقر و غربت میں کیسے بسر ہو سکتی ہے۔ آپ کو سب کا خیال ہے۔ مگر خود اپنے گھر کا خیال نہیں ہماری ضرورتوں کے پورا کرنے کا بھی کچھ سامان کیجئے۔

(۳) یہ مطالبہ اگرچہ تمام بی بیوں کی طرف سے تھا۔ مگر دو بی بیوں نے خاص طور پر باہم ایکا کر کے زور ڈالا تھا کہ ہماری معروضات پوری کی جائیں۔ چنانچہ ان ہی کی نسبت سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما و ان

میں پرورش پاچکی تھیں ، اور ان کے باپ امرا و رؤسا ، وقت میں محسوب تھے ۔ حضرت صفیہؓ خیبر کے اعظم کی بیٹی تھیں ۔ جو ایک طرح کا شاہی اقتدار رکھتا تھا ۔ حضرت حبیبہؓ ابو سفیان کی صاحبزادی تھیں جو اپنے عہدؑ میں جمہوریت حجاز کا پریذیڈنٹ تھا ۔ اور قرآن امم کی پوری ریاست رکھتا تھا ۔ اسی طرح حضرت جویریہؓ ایک بڑے قبیلہ کے رئیس وقت کی بیٹی تھیں جس کا نام غالباً (اس وقت ٹھیک یاد نہیں) بنو المصطلق تھا ۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ بھی ایسے گھروں میں پرورش پائی ہوئی تھیں جنہوں نے گو اپنے مال و متاع کو راہ محبت الٰہی میں لٹا دیا ہو ۔ مگر صاحب مال وجاہ اور دارائے شوکت و احتشام ضرور تھے ۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق ۔

یہ تمام خواتین محترمہ آنحضرت کے گھر میں آئیں اور اپنے قدیمی شان و شکوہ دنیوی کو ان کی عظمت و سطوت روحانی کے آگے بھول گئیں ۔ تاہم وہ بشر تھیں ۔ اور ضرورتیں رکھتی تھیں ہر بیوی کو دوسری بیوی کے مقابلے میں اقتضائے طبیعت نسائیت سے اپنی حالت کی بہتری و رفعت کا بھی خیال دیکھتی تھیں اور مال غنیمت میں اپنے لئے کچھ نہ

مقاصد سے اس طرح لبریز تھی۔ کہ اس میں اس فکر مال و اسباب دنیوی کو گنجائش نہیں مل سکتی تھی۔

(شان نزول لما تحرم ما احل اللہ)

(۹) اسی اثنا میں ایک اور رنجدہ واقعہ بھی پیش آیا۔ جو کہ ایک بالکل علیحدہ اور مستقل واقعہ ہے۔ مگر اس کے امتزاج و خلط نے واقعہ ایلا میں پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ یعنی سورہ تحریم کی ان آیات کا شان نزول

یا ایها النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم۔ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم واللہ مولاکم وھو العلیم الحکیم (۶۶-۱-۲)

پیغمبر! تم اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہے؟ اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک اللہ نے تمہارے لئے یہ فرض کر دیا ہے کہ اپنی قسموں کو کھول دو۔ وہ تمہارا دوست ہے اور سب باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور ان کی حکمت پر نظر رکھنے والا۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تظاهرا علیه فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذالک ظہیر۔ اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں۔ اور اگر رسول اللہ کے مقابلہ میں ایکا کروگے۔ تو جان لو کہ خدا ان کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک مسلمان بھی ان ہی کے ساتھ ہیں۔ اور سب کے بعد ملائکہ الہٰی بھی ان ہی مددگار ہیں۔

اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ "ان تتوبا" اور "قلوبکما" میں آیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایکا کرنے والی دو بیویاں تھیں۔ لیکن نام کی تصریح نہیں ہے۔ اس بارے میں اختلافات حدیث کا ذکر آگے آئے گا۔ لیکن ارجح یہی ہے کہ وہ دونوں بیبیاں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں۔ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا۔

(۸) غرض کہ ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ غیر معمولی طور پر سخت تھا۔ اور آنحضرت کے سکون خاطر اور حیات فقر اور استغنا پر بہت بار گراں تھا۔ ان کی زندگی روحانی استغراق اور اصلاح عالم انسانیت کے مہمات

رسول اللہ آپ کے یہاں پہونچتے تو آپ حضور کو شہد پیش کر دیتیں اور اسکے کھانے میں ان کے یہاں حضور کو تاخیر ہو جاتی ۔حضرت عائشہؓ کو جب یہ بات معلوم ہوتی تو... انھوں نے ایک تدبیر سوچی اور حضرت حفصہ بھی اس میں شریک ہوگئیں۔ قرار پایا کہ آنحضرت جب وہاں سے اٹھ کر ہمارے یہاں آئیں تو کہنا چاہئے۔ کہ آپ کے منھ سے مغافیر کی بو آتی ہے ۔ مغافیر ایک قسم کا درخت ہوتا ہے ۔جس کے پھولوں سے عرب کی مکھیاں رس چوس کر شہد جمع کرتی ہیں ۔ اس کا پھل لوگ کھاتے ہیں مگر اس کی بو اچھی نہیں ہوتی ۔

اس کے بعد اس تدبیر کی اور بی بیوں کو بھی خبر دے دی گئی اور وہ بھی اس میں شریک ہوگئیں۔

چنانچہ آنحضرت حسب معمول جب حضرت حفصہ کے ہاں تشریف لائے تو انھوں نے کہا آپ کے منھ سے تو مغافیر کی بو آتی ہے ۔

اور بی بیوں نے بھی مغافیر کی بو کا آنا ظاہر کیا ۔ یہ دیکھ کر آپنے قسم کھالی کہ آئندہ شہد نہ کھاؤں گا ۔ شہد ایک حلال غذا تھی ۔ اور اس کے نہ کھانے کی قسم کھانا ایک حلال شے کو اپنے اوپر حرام کرلینا

نے کوئی ایسی بات اپنے اوپر حرام کرلی تھی ۔ جو اللہ کی طرف سے حلال تھی۔ اور اس کے لئے کوئی قسم بھی کھالی تھی ۔ نیز یہ کہ صرف اپنی ازواج کی خوشی کے لئے ایسا کیا تھا۔

(۱۰) وہ کیا بات ؟ کس بات کے لئے قسم کھائی تھی ازواج کی خوشی کو اس سے کیا تعلق تھا ؟ ان سوالات کے جوابات احادیث سے ملتے ہیں۔ اور اسی کے متعلق بعض کتب تفسیر و سیر میں مسخ ہو گئی ہیں ۔ جن کو ایک مسخ اور بدنما شکل میں اعداء اسلام نے بیان کیا ہے ۔ اور جس کی نسبت آپ نے دریافت فرمایا ہے ۔

تفصیلی بحث ان روایات مختلفہ پر آگے آئے گی ۔ یہاں صرف اصلی اور محقق واقعہ کو بیان کر دیتا ہوں ۔

بخاری و مسلم کے ابواب نکاح و طلاق و تفسیر میں یہ واقعہ بالکل صاف اور غیر پیچیدہ موجود ہے ۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے ۔ کہ آنحضرت کا قاعدہ تھا عصر کے بعد ازواج مطہرات کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے تشریف لایا کرتے تھے ۔ ایک بار حضرت زینب کے یہاں کہیں سے شہد آگیا تھا جب

لگے گئے آئیں۔ تو کہیں کہ کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے۔ ؟ اس کی بو آپ کے منھ سے آ رہی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آنحضرت نے یہ سن کر فرمایا، مغافیر تو میں نے نہیں کھایا۔ البتہ زینب کے یہاں شہد کھایا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کبھی نہ کھاؤنگا۔ مگر تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

لیکن بخاری کے باب الطلاق میں "ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کی روایت سے ایک دوسری حدیث بھی موجود ہے۔ جو اس سے زیادہ مفصل اور بعض جزئیات میں مختلف ہے۔ مثلاً حضرت زینب کی جگہ شہد کا کھانا۔ خود حضرت حفصہ کے یہاں بیان کیا ہے۔ اور حضرت سودہ کی نسبت کہا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے مغافیر کی بو نسبت کہا تھا۔ روایت بالا میں صرف حضرت عائشہ اور حفصہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اور بی بیوں کو بھی اس کی خبر دے دی گئی تھی۔ اور آنحضرت اس دن جس کے یہاں تشریف لے گئے" اس نے یہی بات کہی کہ مغافیر کی بو آتی ہے۔ ایسا ہونا درایتاً بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اکثر بیبیوں نے مل کر فرداً فرداً

تھا۔ پس سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ لم تحرم ما احل اللہ لک آپ، اس شی کو کیوں اپنے اوپر حرام کرتے ہو۔ جو خدا نے آپ کے لئے حلال کر دی ہے؟

یہ واقعہ خود حضرت عائشہ کی روایت سے امام بخاری نے کتاب الطلاق اور کتاب التفسیر سورہ تحریم میں درج کیا ہے۔

قالت (عائشۃ) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یشرب عسلاً عند زینب ابنۃ جحش ویمکث عندھا فواطیت انا و حفصۃ عن ایتنا دخل علیھا فلتقل لہ اکلت مغافیر انی احد ریح مغافیر۔ قال لا و لکنی کنت اشرب عسلا عند زینب حلفت فلن اعود لہ وقد حلفت۔ لا تخبری بذالک (بخاری کتاب التفسیر جزء ۶ صفحہ ۱۵۶ مطبوعۃ مصر)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ بنت جحش کے یہاں شہد نوش فرماتے اور دیر تک ٹھہرتے۔ اس پر میں نے اور حفصہ نے یہ قرارداد کی کہ جب آنحضرت ہم میں سے کسی کے یہاں

اس نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر دیدی تو انھوں نے اس میں سے کچھ حصہ بیان کیا اور کچھ چھوڑ دیا۔ یہ سن کر اس بیوی نے پوچھا کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا کہ خدا نے جس کے علم اور خبرۃ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

بخاری و مسلم کی تمام روایات کے جمع کرنے سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ بعض ازواج سے یہاں مقصود حضرت حفصہ ہیں۔ انھوں نے ہی حضرت عائشہؓ سے راز کہہ دیا تھا۔ اس میں بعض جزئی اختلافات بھی ہیں۔ جن پر حافظ ابن حجرؒ نے مفصل بحث کی ہے۔ لیکن محقق واضح یہی ہے۔ کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ ہی سے اس کا تعلق ہے۔ جن حضرات کو یہ بحث تفصیل سے دیکھنا ہو۔ وہ فتح الباری جلد ۹ شرح کتاب الطلاق ص ۲۲۹ کو ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اختصار کے لئے مجبور ہیں۔ البتہ اس واقعہ کے بعض اہم متعلقات و مباحث آگے آئیں گے۔

(عہد ایلاء اور سیر روزہ علیحدگی)

(۲) غرض کہ توسیع نفقہ کے لئے تمام ازواج نے متفق ہو کر اصرار کرنا شروع کیا۔ آنحضرت صلعم کے استغراق روحانی پر یہ دنیا طلبی اس

کہا ہوگا ۔ جبھی تو آپ نے قسم کھائی ۔ ورنہ صرف ایک بیوی کے کہنے سے قسم کھا لینا مستبعد معلوم ہوتا ہے ۔ ہم نے بعض ضروری جزئیات اس روایت سے بھی لے لی ہیں ۔ اور سب کا مشترک ماحصل بیان کر دیا ہے ۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری اس اختلاف پر نہایت عمدہ کی ہے اور وجوہ تطبیق بیان کر دیئے ہیں ۔ خوف طوالت سے ہم نقل نہیں کر سکتے (دیکھو فتح الباری جلد ۹ ۔ صفحہ ۳۲۹ ۔ مطبوعہ مصر)

(۱۱) اسی اثنا میں ایک اور واقعہ پیش آیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج سے کوئی راز کی بات فرمائی اور تاکید کر دی کہ اس کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا ۔ لیکن ان سے ضبط نہ ہو سکا اور ایک دوسری بیوی سے ذکر کر دیا ۔ اسی کے متعلق سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی ۔

واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا ۔ فلما نبات به واظهره الله علیه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانی العلیم الخبیر

اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے ایک راز کی بات کہی اور

(حدیث عمر فاروق رض)

(۱۴) یہ حالت کیونکر ختم ہوئی؟ کس کی جرأت محبت و نیاز نے اس تشویش کا خاتمہ کیا؟ اور کیونکر آیت تخییر نازل ہوئی۔ ان تمام سوالوں کا مفصل جواب اس مشرح و مطول روایت میں ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں منقول ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ وہ پوری حدیث یہاں نقل کر دیں اور خود فاروق کی زبانی اس تمام واقعہ کو معلوم کیا جائے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ اور مختلف ابواب میں اس سے استخراج نتائج و معارف کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے بھی چار مختلف طریقوں سے کتاب الطلاق میں درج کی ہے بالاتفاق اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن عباس ہیں اور ان سے عبید بن حنین۔ سماک ابی زمیل۔ اور عبید اللہ بن ابی ثور وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان روایات میں ایک متفق روایت عبید بن حنین کی ہے۔ جو حضرت عباس کے غلام تھے۔ ہم اسی روایت کو یہاں پہلے نقل کر دیتے ہیں۔

"عن عبید بن حنین انہ سمع ابن عباس رضی اللہ

قدر شاق گذری کہ آپ نے عہد کر لیا - کہ ایک ماہ تک تمام بیویوں سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا -

جب کچھ زمانہ علیحدگی پر گذر گیا - تو صحابہ کرام کو سخت تشویش ہوئی - ان میں سے اکثر کو خیال ہوا - کہ عجب نہیں - آپؐ نے تمام ازواجؓ کو طلاق دے دی ہو - مگر ہیبت نبوت و سطوت رسالت اجازت نہیں دیتی تھی - کہ اس بارے میں آپ سے سوال کیا جائے حتیٰ کہ خاص صحابہ و مقربین بارگاہ رسالت بھی دم بخود اور خاموش تھے -

(۲۳) سوء اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آ گیا - اس کی تکلیف چلنے پھرنے سے مانع تھی اس لئے کئی روز تک آپ بالاخانے سے اتر کر مسجد میں بھی تشریف نہ لا سکے -

صحابہ دریافت حال کو آئے - تو وہیں بیٹھ کر نماز پڑھائی -

جب ایک مہینے کے قریب مدت اسی حالت میں گذر گئی تو صحابہ کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی - اور ان حالات کو دیکھ کر اکثروں کو یقین ہو گیا - کہ آپ نے طلاق دے دی ہے - اور اب ازواج مطہرات سے نہیں ملیں گے -

حتی دخل علی حفصة . فقال لها یا بنیة . انک لتراجعین رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی یظل یومه غضبان . ؟ فقالت حفصة والله انا لنراجعه فقلت تعلمین انی احذرک عقوبة الله وغضب رسول الله صلی الله علیه وسلم . یا بنیة لا تغرنک هذه التی اعجبها حسنها حب رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاها یرید عائشة قال ثم خرجت حتی دخلت علی ام سلمة لقرابتی منها فکلمتها . فقالت ام سلمة عجبا لک یا ابن الخطاب ! دخلت فی کل شیئ حتی تبتغی ان تدخل بین رسول الله صلی الله علیه وسلم وازواجه ؟ فاخذتنی والله اخذا کسرتنی عن بعض ما کنت اجد فخرجت من عندها وکان لی صاحب من الانصار اذا غبت اتانی بالخبر واذا غاب کنت انا آتیه بالخبر ونحن نتخوف ملوک غسان ذکر لنا انه یرید ان یسیر الینا فقد امتلأت صدورنا منه . فاذا صاحبی الانصاری یدق الباب فقال افتح افتح فقلت جاء الغسانی ؟ فقال بل اشد من ذلک اعتزل

منها يحدث۔ انه قال مكثت سنة اريد ان اسأل عمر بن الخطاب
عن اية فما استطيع ان اسأله هيبة له حتى خرج حاجا فخرجت
معه فلما رجعت وكنا ببعض الطريق عدل الى الاراك لحاجة له
قال فوقفت له حتى فرغ ثم سرت معه۔ فقلت يا امير المؤمنين۔
من اللتان تظاهرتا على النبي صلى الله عليه وسلم من ازواجه؟
فقال تلك حفصة وعائشة۔ قال۔ فقلت والله ان كنت لاريد
ان اسألك عن هذا منذ سنة فما استطيع هيبة لك۔ قال
فلا تفعل ما ظننت ان عندي من علم فاسألني۔ فان كان
لي علم خبرتك به۔ قال ثم قال عمر والله ان كنا في الجاهلية
ما نعد للنساء امرا حتى انزل الله فيهن ما انزل۔ وقسم
لهن ما قسم۔ قال فبينا انا في امر اتامره اذ قالت امرأتي۔۔۔
لو صنعت كذا وكذا قال۔ فقلت لها ما لك ولما هاهنا فيما تكلفك
في امر اريده فقالت لي عجبا لك يا ابن الخطاب؛ ما تريد ان
تراجع انت وان ابنتك لتراجع رسول الله صلى الله عليه
وسلم حتى يظل يومه غضبان؛ فقام عمر فاخذ رداءه مكانه

یہ سلوک تھا۔ کہ کسی طرح کے حقوق انہیں حاصل نہ تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ عورتیں کوئی چیز نہیں ہیں۔ لیکن جب اسلام آیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کے متعلق آیات نازل کیں۔ اور ان کا حق ہم پر قرار پایا۔ تو ہماری عورتوں کی حالت بالکل بدل گئی۔ اور اپنا حق مانگنے میں وہ نہایت جری ہو گئیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی بات پر حسب عادت تندی میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا اور باہم تکرار سی ہو گئی۔ اس نے الٹ کر ایسا ہی جواب دیا۔ اور سختی سے بات کی۔ میں نے کہا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے میری بات کا اس طرح جواب دیتے؟ وہ بولی۔ کہ سبحان اللہ تم کیا ہو۔ کہ میں تمہیں جواب نہ دوں۔ تمہاری بیٹی (حفصہ) تو خود رسول اللہ صلعم کو برابر کا جواب دیتی ہے۔ حتیٰ کہ دن بھر ان سے روٹھی رہتی ہے۔

یہ سن کر میں نے دل میں کہا۔ یہ تو عجیب بات ہوئی۔ فوراً اٹھ کر حفصہ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت کی زوجۂ مطہرہ) کے پاس پہونچا۔ اور پوچھا کہ بیٹی۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ تم آنحضرت صلعم سے جواب سوال کرتی ہو۔؟ اور دن بھر روٹھی رہتی ہو۔ اور کیا اور بیویاں

لیکن ان کی ہیبت و رعب سے میری ہمت پست ہو جاتی تھی۔ اور پوچھنے کی نوبت نہ آتی تھی ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ حج کے لئے نکلے اور میں بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ جب حج سے فارغ ہو کر ہم لوگ واپس آ رہے تھے۔ تو راستے میں ایک اچھا موقعہ گفتگو کا ہاتھ آ گیا۔ اور میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنے قدیمی ارادے کو پورا کرنا چاہا۔ میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین! آنحضرت کی وہ کون دو بیویاں تھیں جنھوں نے اپنے مطالبات کے لئے ایکا کر کے آنحضرت پر زور ڈالا تھا اور جن کا ذکر خدا تعالیٰ نے "وان تظاهرا علیه" میں کیا ہے۔؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "عائشہ اور حفصہ" اس پر میں نے کہا۔" کہ واللہ ایک سال سے ارادہ کر رہا تھا کہ اس بارے میں آپ سے پوچھوں مگر آپ کے رعب سے میری زبان نہیں کھلتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔ اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ جو بات تجھے معلوم ہے میں بیان کرنے کے لئے موجود ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس واقعہ پر ایک مفصل اور مشرح تقریر کی۔ انھوں نے کہا۔ کہ ایام جاہلیت میں ہم لوگوں کا عورتوں کیساتھ

انھوں نے یہ بات دس زور سے کہی - کہ مجھ سے کوئی جواب نہ دیا گیا اور میں خاموش اٹھ کر چلا آیا۔

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ میرے ہمسائے میں ایک انصاری رہتا تھا۔ ہم اور وہ دونوں باری باری ایک دن درمیان دے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو اپنی حاضریوں کے حالات سنا دیا کرتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا۔ کہ مدینہ میں دشمنوں کے حملہ کی توقع کی جاتی تھی۔ اور خود مجھے ملوک غسان میں سے ایک بادشاہ کی طرف سے کھٹکا تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔

ایک دن رات کو میرے انصاری ہمسائے نے بالکل ناوقت دروازے پر دستک دی، اور پکارا کہ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا، میں گھبرایا ہوا گیا۔ اور پوچھا خیر ہے۔ کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر حادثہ ہوا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا یہ سب کچھ حفصہ اور عائشہ ہی کی ان باتوں سے ہوا ہوگا۔ جو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔ میں نے کپڑے پہنے۔

بھی ایسا ہی کرتی ہیں۔ حفصہ نے کہا۔ کہ ہاں بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ اور میں نے کہا کہ تجھے اللہ کی سزا اور رسول کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔ رسول اللہ کی ناراضی عین خدا کی ناراضی ہے۔ یہ کیا ہے۔ جو تم اس طرح انھیں ناراض کرتی ہو۔؟ تجھے حضرت عائشہ کی کوئی نظیر دیکھ کر بھول نہ جانا چاہئے۔ جس سے آنحضرت صلعم بہت محبت فرماتے ہیں۔ واللہ انھیں اگر میرا خیال نہ ہوتا۔ تو تجھے طلاق دے چکے ہوتے۔ تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگ۔ آنحضرت کو کیوں تکلیف دیتی ہے۔

اس کے بعد میں ام سلمہ (آنحضرت کی دوسری زوجہ مطہرہ) کے ہاں آیا۔ کیوں کہ قرابت کی وجہ سے مجھے زیادہ موقعہ دریافت حال ... اور ملاقات کا حاصل تھا۔ میں نے ان سے بھی وہ تمام باتیں کہیں جو اپنی بیٹی سے کہیں تھیں۔ لیکن انھوں نے سنتے ہی جواب دیا کہ اے ابن خطاب! تمہاری حالت تو بڑی ہی عجیب ہے تم تو ہر معاملے میں دخیل ہو گئے۔ اور اب یہ نوبت آگئی۔ کہ رسول اللہ کہ ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے۔

عرض کی کہ رونے کی اس سے زیادہ بات کیا ہو گی۔ ؟ آج قیصر اور کسریٰ عیش و راحت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ حالانکہ خدا کی بندگی سے غافل ہیں۔ مگر آپ سرور دوجہاں ہو کر اس حالت میں ہیں کہ گھر میں ایک چیز بھی آرام کی میسر نہیں اور کھُردری چارپائی کے نشان جسم مبارک پر نمایاں ہیں۔!

حضور نے فرمایا۔ کہ ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تم اس پر راضی نہیں ہو۔ کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں۔ اور ہمیں آخرت نصیب ہو؟"

میں نے پوچھا۔ کہ کیا حضور نے ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ فرمایا نہیں۔ یہ سنتے ہی میں اس قدر خوش ہوا۔ کہ میری زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ پھر میں نے آپ کی تفریح خاطر کے لئے عرض کیا کہ ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے۔ لیکن یہاں آکر دیکھا کہ رنگ دوسرا ہے۔ اس پر آپ متبسم ہوئے۔ پھر میں نے اپنی وہ سرگذشت عرض کی۔ جو حفصہ اور ام سلمیٰ کے ساتھ پیش آئی تھی۔ اس پر آپ دوبارہ متبسم ہوئے۔ آخر میں عرض کی۔ کہ مسجد میں لوگ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ملے کہ انھیں جا کر خبر دیدوں۔ کہ طلاق کا

اور سیدھا مدینے پہونچا۔ آنحضرت نماز صبح کے بعد بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ مسجد میں لوگ بیٹھے تھے اور غمگین تھے۔ مجھ سے صبر نہ ہوا۔ بالاخانے کے نیچے آیا۔ اور آنحضرت کے حبشی غلام سے کہا۔ کہ میری حاضری کے لئے اجازت طلب کر۔ جب کچھ جواب نہ آیا۔ تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا بے تحاشا آنہ پکار اٹھا۔ کہ شاید رسول اللہ خیال فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی لڑکی حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو صرف رسول اللہ کی رضا کا بندہ ہوں۔ اگر وہ حکم دیں تو خود اپنے ہاتھ سے حفصہ کی گردن اڑا دوں۔

غرض کہ اس بار اذن مل گیا۔ اور میں بالاخانے کے اوپر پہونچا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ سرور کائنات ایک کھردری چارپائی پر لیٹے ہیں۔ اور آپ کے جسم اقدس پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ گھر کے سامان کا یہ حال ہے۔ کہ ایک طرف مٹھی بھر جو کے دانے پڑے ہیں۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال رکھی ہے۔ دوسری طرف ایک کھال لٹک رہی ہے۔

یہ حالت دیکھ کر میرا دل بے قابو ہو گیا۔ اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ عمر تم روتے کیوں ہو؟

طرح ان میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اسلام سے پہلے ہم عورتوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے تھے اسلام نے جب ان کے حقوق گنوائے۔ تو ہمیں تسلیم کرنا پڑا۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کے اس شوق تحقیق و تلاش علو اسناد کو دیکھئے کہ صرف ایک آیت کے متعلق تحقیق کرنے کے لئے کامل سال بھر تک کوشش کرتے رہے۔ اس سے فن تفسیر کے متعلق بھی ان کی جدوجہد کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جب ایک آیت کے شان نزول کے لئے یہ حال تھا۔ تو پورے قرآن کریم کے معارف کو کس سعی و جہد سے حاصل کیا ہوگا۔

(۳) اللہ اکبر! یہ کیا چیز تھی۔ کہ خلفائے راشدین رہتے تو تھے اس مساوات اور فقر و زہد کے ساتھ کہ کوئی تمیز اعلیٰ و ادنیٰ کی نہ تھی۔ مگر پھر بھی ہیبت و صولت ربانی کا یہ حال تھا۔ کہ عمر فاروقؓ کے آگے خود صحابہ کی زبانیں نہ کھلتی تھیں۔ ولنعم ما قیل

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

خیال غلط ہے۔

اس کے بعد آپ حضرت عائشہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے ایک مہینہ تک ایلا کرنے کا عہد کیا تھا۔ ابھی اس میں ایک دن باقی ہے۔ آپ نے کہا کہ انتیس دن کا بھی تو مہینہ ہوتا ہے۔۔۔؟"

(بعض نتائج و بصائر)

اس حدیث کے طویل نقل کرنے سے مقصود اصلی واقعہ ایلاء و تخییر کے متعلق معلومات صحیحہ کا حصول تھا۔ لیکن ضمناً جن امور و مسائل پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ نہایت مختصر لفظوں میں ان کی طرف اشارہ کر دوں گا۔

شارحین بخاری نے اس حدیث سے بے شمار باتیں پیدا کی ہیں خود امام بخاری نے تحصیل علم۔ تحقیق و سوال۔ احکام نکاح۔ احکام طلاق۔ نصیحت والدین۔ وغیرہ وغیرہ متعدد مسائل میں اسی ایک روایت سے حسب عادت تبویب کی ہے۔

(۱) اسلام سے قبل عورتوں کی کیا حالت تھی۔ اور اسلام نے کس

(۸) ایک بڑا اہم نکتہ یہ حل ہوتا ہے۔ کہ اس وقت مدینہ کس طرح دشمنوں کے نرغے میں تھا۔ اور ہر وقت حملوں کا خوف تھا حتیٰ کہ جب کے انصاری ہمسائے نے کہا۔ کہ دروازہ کھولو۔ تو حضرت عمر بول اٹھے۔ کیا دشمن مدینے پر چڑھ آئے ہیں۔؟ پھر جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے قیام مدینہ کے زمانے میں خود حملے کئے۔ ان کا یہ کہنا کس قدر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

(۹) آنحضرت کی منزلی زندگی کی شفقت و نرمی۔ تحمل و درگذر رفق و لینت اور بیویوں کے ساتھ صبر و برداشت کا سلوک اس سے جہاں اس خلق عظیم کی زندگی سامنے آتی ہے۔ وہاں ان کا اسوۂ حسنہ ہم سے مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اپنی بیویوں سے محبت و نرمی کریں۔ اور ہمیشہ شفقت و سلوک اور عدگذر رفق سے پیش آئیں۔ کہ یہ آبگینہ بہت ہی نازک ہے۔"

آیت تخییر

غرض کہ اس کے بعد ہی سورۂ احزاب کی آیت تخییر نازل ہوئی۔

یاایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیٰوۃ

(۴) حضرت سرور کائنات کی اس حیات مقدسہ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ جو ایک طرف تو دو جہان کی بادشاہت اپنے سامنے دیکھی تھی۔ دوسری طرف چارپائی پر بچھانے کے لئے ایک کمبل بھی پاس نہ تھا۔

مقام اس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا!

(۵) صحابہ کی محبت اور جاں نثاری کی شمع رسالت پر پروانہ صفت نثار تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کہ اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا سر قلم کر دوں گا۔ ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہئے کہ کیا حال ہے۔

(۶) حضرت عمرؓ کی جلالت مرتبت اس سے واضح ہوتی ہے۔ نیز وہ تقرب جو دربار رسالت میں انھیں حاصل تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نے جھنجھلا کر کہا۔ تم سب باتوں میں دخیل ہو گئے۔ اب آنحضرت کے گھر کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے ہو۔ جب آپ نے یہ واقعہ بیان کیا تو آنحضرت تبسم ہوئے۔

(۷) اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ باپ کا اپنی بیٹی کے مکان میں بلا اجازت شوہر جانا درست ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت حفصہ کے یہاں بلا اذن آنحضرت کے تشریف لے گئے۔

وراحت دنیوی کو بالکل خیر آباد کہیں۔ یا دنیا کے نعائم ولذائذ کے لئے اللہ کے رسول کی رفاقت ترک کر دیں۔

چنانچہ اس آیت میں فرمایا۔ کہ دنیا اور آخرت دونوں تمہارے سامنے ہیں۔ اگر دنیا کی طلب ہے۔ تو صاف کہدو تمہیں رخصت کے عمدہ عمدہ جوڑے پہنا کر اپنے گھر سے بعزت واحترام رخصت کر دوں۔ لیکن اگر خدا اور اس کے رسول کی معیت چاہتے ہو۔ تو ان زخارف دنیوی کی خواہشوں کو یک قلم جواب دیدو۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کے لئے خدا کے یہاں بڑا ہی اجر و ثواب ہے۔

(مصالح وحکم تخییر)

اس حکم نزول میں فی الحقیقت بہت ہی عظیم الشان مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ یہ ازواج مطہرات کے لئے بڑی آزمائش تھی۔ دنیا کو دکھلانا تھا۔ کہ جن لوگوں کو خدا کے رسول نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے۔ ان کے تزکیہ باطنی اور خدا پرستی کا کیا حال ہے۔؟ اگر اس طرح کے واقعات پیش نہ آتے تو ازواج مطہرہ کا تزکیہ نفس اور ان کے دلوں کی محبت الٰہی کیونکر دنیا کے سامنے واضح ہوتی۔؟

الدنیاوزینتھا۔ فتعالین امتعکن واسرحکن سرحاً
جمیلا وان کنتن تردن اللّٰہ ورسولہ والدار الاخرۃ
فان اللّٰہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً (۳۳-۳۰)
اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس
کی زینت چاہتی تو صاف صاف کہہ دو میں تمہیں اچھی طریقے سے رخصت
کردوں ۔ اور اگر اللہ اس کے رسول اور آخرت کی طالب ہو تو
پھر اس کی ہو رہو۔ اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والی عورتوں کیلئے
بہت ہی بڑا اجر تیار کر رکھا ہے ۔

ازواج مطہرات کے متعلق یہ آخری اور الٰہی فیصلہ تھا چونکہ
توسیع نفقہ اور طلب اسباب آرام و راحت کے لئے انھوں نے آں
حضرت (صلعم) پر زور ڈالا تھا ۔ اور اس مطالبہ میں تمام بی بیاں
متفق ہوگئیں تھیں ۔ حتیٰ کہ آنحضرت نے ایلاء کر کے ایک ماہ کے لئے
ان سے کنارہ کشی کر لی تھی ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک
مرتبہ ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ ہو جائے ۔ اور دونوں راستے ان کے
آگے پیش کر دیئے جائیں ۔ یا تو اللہ اس کے رسول کی راہ یا دنیا کا

صحاح کی دوسری روایتوں میں حضرت عائشہ کا بیان زیادہ تفصیل سے منقول ہے۔ ہم نے واقعہ بیان کرتے ہوئے انہیں بھی پیش نظر رکھ لیا ہے مثلاً امام مسلم ونسائی کے ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے جو روایت اس بارے میں نقل کی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

جاء ابی رسول اللہ (صلعم) فقال انی ذاکر لک امراً فلا علیک ان لا تعجل حتی تستامری ابویک قالت وقد علم ان ابوی لا یامرانی بفراقہ ثم قال رسول اللہ (صلعم) یاایھاالنبی قل لازواجک الخ۔ فقلت فی ھذا استامر ابوی؟ فانی ارید اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ (صحیح نسائی۔ کتاب النکاح صفحہ نمبر ۵۱ مطبوعہ دہلی) پس آنحضرت نے مجھ سے گفتگو کی۔ اور فرمایا کہ میں تجھ سے ایک امر اہم کا ذکر کرتا ہوں۔ لیکن کوئی مضائقہ نہیں اگر اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کریں۔ اور اپنے والدین سے بھی ان کی رائے پوچھ لیں۔ آنحضرت کو علم تھا۔ کہ میرے والدین کبھی ان علیحدگی کی رائے نہ دیں گے۔ بہرحال اس کے بعد آیت تخییر آپ نے پڑھی۔ اور دنیا وآخرت کی دونوں راہیں پیش

چونکہ توسیع نفقہ کی خواہش میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم سب سے پہلے حضرت عائشہ کے یہاں تشریف لائے اور اس آیت کے حکم سے مطلع کیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ بہتر ہوگا کہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لو۔ حضرت عائشہ بے اختیار بول اٹھیں۔ کہ بھلا اس میں مشورہ کرنے کی کیا بات ہے۔؟ جب خدا نے دو راہیں میرے سامنے کر دی ہیں۔ تو اس کا جواب ہر حال میں صرف ایک ہی ہے۔ دنیا اور دنیا کی نعمتیں آپ کی رفاقت کے سامنے کیا شے ہیں۔ میں سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی معیت اختیار کرتی ہوں اس کے بعد اور تمام بی بیوں سے آپؐ نے پوچھا اور سب نے یہی جواب دیا۔

خود حضرت عائشہ کی روایت سے صحیحین میں مروی ہے۔

مسلم عن مسروق عن عائشہ قالت خیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخترنا اللہ ورسولہ فلم یعد ذالک علینا شیئاً (بخاری کتاب الطلاق باب من خیر ازواجہ)

حق وصداقت کی محبت ہی میں خدا اور اس کے رسول کی محبت پوشیدہ ہے ۔ اس راہ میں جتنی کشمکشیں پیدا ہوتی ہیں اور جس قدر ٹھوکریں لگتی ہیں - وہ صرف اسی بات کا نتیجہ ہیں کہ راہروں نے دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنے کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے. اور بغیر اس کے کہ کسی ایک کے ہو رہنے کا فیصلہ کر کے قدم اٹھائیں - ویسے ہی جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں -

قصہ ماریہ قبطیہ اور روایات موضوعہ)

یہاں تک تو ہم نے ایلاء وتخییر کا اصل واقعہ بیان کر دیا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اب ہم ان روایات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں ۔ جن کی آمیزش سے اس صاف واقعہ کو مکدر ومشتبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے - اور جس کی ایک محرف ومسخ صورت آپ کے مسیح معلم نے پیش کی ہے -

ان تمام روایات سے صحاح ستہ خالی ہیں - البتہ ابن سعد ابن مردویہ - واقدی - ابن جریر طبری - طبرانی - بزاز اور ہثیم بن جلیب وغیرہ نے درج کیا ہے - اور ان سے عامہ مفسرین و ارباب سیرت

کر دیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہی بات تھی جس کے لئے حضور فرماتے تھے۔ کہ اپنے والد سے بھی پوچھ لیں۔؟ بھلا اس میں پوچھنے کی کون سی بات ہے۔؟ اس کا جواب تو صرف یہی ہے۔ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کا ساتھ دیتی ہوں اور دنیا کی جگہ آخرت کو لیتی ہوں۔

یہ حکم اگرچہ صرف ازواج مطہرات کے متعلق تھا۔ مگر دراصل اس میں اس راہ کے لئے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں خدائے تعالیٰ نے ظاہر کیا ہے۔ کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو دل خدا اور اس کے رسول کی محبت اور مرضات کے طالب ہوں۔ انھیں چاہئے کہ پہلی ہی نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک طرف تو خدا کی محبت کا بھی دعویٰ ہو۔ دوسری طرف ذخارف دنیوی کے پیچھے سر گرداں رہیں۔

وَاللّٰہُ دَرُّ مَا قَالَ ؎

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد یک کار ازیں دو مے باید کرد

یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار مے باید کرد

اہل علم نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے ۔ کہ وہ کون سی بات تھی ۔ جو خدا نے اپنے رسول کے لئے حلال کی تھی ۔ اور انھوں نے اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اپنے اوپر حرام کرلی ان میں سے بعض کا بیان یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ لونڈی تھی اسے آپ نے اپنے لئے حرام کر لیا تھا ۔ ایک قسم کھا کر کہ کبھی اس کے پاس نہ جاؤں گا ۔ اور ایسا حفصہ بنت عمرؓ کی خوشی کے لئے کیا تھا جو آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں ۔

لیکن امام موصوف نے جن " بعض اہل علم " کی یہ رائے نقل کی ہے ۔ اکثر ائمہ حدیث مثل امام بخاری و مسلم بل جمیع مصنفین کتب صحاح کے مقابلے میں ان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ۔ جنھوں نے سرے سے اس واقعہ کو نقل ہی نہیں کیا ہے ۔

بہرحال اس کے بعد امام موصوف نے وہ تمام روایتیں جمع کر دی ہیں ۔ جو اس بارے میں ان تک پہنچی ہیں ۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت (صلعم) کی لونڈی تھیں ۔ ایک دن حضرت حفصہ آئیں ۔ تو انھوں نے دیکھا ۔ کہ ان ہی کے مکان میں آنحضرت (صلعم) ماریہ کے ساتھ خلوت میں ہیں ۔ آپ اس

نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔

ان روایات کا تعلق واقعۂ تحریم سے ہے۔ اگر انھیں تسلیم بھی کر لیا جائے۔ جب بھی واقعہ ایلا پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا البتہ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ لم تحرم ما احل اللہ کا شان نزول یہ واقعہ نہ تھا۔ کہ آن حضرت نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ بلکہ ماریہ قبطیہ سے اس کا تعلق ہے۔ جو آپ کی لونڈی تھی۔ اور آپ نے ازواج کی خاطر سے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

ہم ان روایات کے لئے امام طبری کی تفسیر کو سامنے رکھ لینا کافی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے سورہ تحریم کی تفسیر میں حسب عادت تمام روایتوں کو جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اختلف اهل العلم فی الحلال الذی کان اللہ احل لرسوله فحرمه علی نفسه ابتغاء مرضاة ازواجه فقال بعضهم کان ذالک ماریه مملوکته القبطیته حرمها علی نفسه بیمین انه لا یقربها طلباً بذالک رضا حفصه زوجته (تفسیر طبری جلد ۲۸ صفحہ ۱۰۰)

کی ہیں۔یہی روایتیں ہیں۔جو محمد ابن سعد ہیثم۔ابن مردویہ اور طبرانی
نے عشرت النساء اور مسند وغیرہ ہیں۔درج کی ہیں۔ان میں باہم
سخت اختلاف ہے۔اور ایک ہی واقعہ کو مختلف صورتوں میں۔۔
بیان کیا ہے۔لیکن جب سرے سے ان کی اسناد ہی قابل قبول نہیں
تو اضطراب و اختلاف متون پر کیا بحث کی جائے۔؟

(تحقیق و نقد روایات)

لیکن ہم پورے وثوق اور زور کے ساتھ ان روایات کی صحت
سے قطعاً انکار کرتے ہیں۔اور اس کے لئے کافی وجوہ موجود ہیں کہ
انھیں یک قلم نا قابل قبول و اعتبار قرار دیا جائے۔
بالاختصار اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) سب سے پہلے اس بیان کو پیش نظر رکھئے۔جو اس مضمون
کے پہلے صفحوں میں احادیث و کتب احادیث کے متعلق لکھ چکا ہوں۔
محققین و ائمہ فن نے طبقات و مراتب محدثین کے متعلق کافی تصریحات
کر دی ہیں۔اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم قدماء محققین
کی آراء کی بہترین ترجمان ہے۔ان کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔کہ کتب

پر آزردہ خاطر ہوئیں - اور کہا میرے ہی مکان میں اور میری ہی باری کے دن آپ نے ایسا کیا؟ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ آئندہ کے لیے قسم کھاتا ہوں۔ کہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا۔ لیکن اس قسم کھانے کا ذکر کسی دوسری بیوی سے نہ کرنا۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ تمام ازواج مطہرہ میں باہم رازدار اور دوست تھیں - ان سے صبر نہ ہو سکا - انھوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں - کہ لم تحرم ما احل اللہ لک؟ اور واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ - پس جو چیز آپ نے اپنے اوپر حرام کر لی تھی - وہ یہی ماریہ قبطیہ تھی - جسے خدا نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔ اور جو راز بعض ازواج نے ظاہر کر دیا تھا - وہ بھی یہی آپ کا قسم تھا - بعض روایتوں میں اتنا اور زیادہ کیا ہے - کہ علاوہ قسم کھانے کے آپ نے حضرت حفصہ سے یہ بھی کہا تھا - کہ میرے بعد حضرت ابوبکر اور تمہارے والد میرے جانشین ہونگے -

امام طبری نے اس واقعہ کے متعلق متعدد روایتیں درج

پہلے درجے کی کتابوں میں ہیں۔ نہ دوسرے درجہ کی۔ بلکہ تمام تر تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں میں درج کی گئی ہیں۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اول درجہ کی صحیح کتب حدیث یعنی کتب صحاح اور علی الخصوص صحیحین کی روایات ان کے صریح مخالف بھی ہیں۔ اور جو سبب نزول آیت تحریم کا ان سب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ان روایات کے بیان کردہ قصہ کو کوئی تعلق نہیں۔

(۲) یہ تمام روایتیں طبرانی۔ ابن سعد۔ ابن جریر طبری وغیرہ کی ہیں۔ ان مصنفوں کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ کہ ان کا مقصود صرف روایات کو جمع کر دینا۔ اور ہر طرح کے ذخیرۂ احادیث و احادیث و آثار کو ضائع ہونے سے محفوظ کر دینا تھا۔ نہ تو انھوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ ان کی تمام مرویات صحیح ہیں اور نہ محققین نے انھیں یہ درجہ دیا۔ پس طبرانی اور طبری وغیرہ کی روایات صرف اسی وقت قبول کی جا سکتی ہیں جب کہ ان کی صحت کی دیگر وسائل سے بھی تصدیق ہو جائے یا حسب وصول مقررہ حدیث ان کی صحت پایۂ ثبوت تک پہنچا دی جائے۔

حدیث چار درجوں میں منقسم ہیں۔ پہلا درجہ صحیحین کا ہے۔ دوسرا بقیہ کتب صحاح کا تیسرا تصانیف دارمی۔ عبدالرزاق۔ بیہقی۔ طبرانی وغیرہ کا چوتھا ابن مردویہ، ابن جریر طبری۔ ابونعیم ابن عساکر ابن عدی وغیرہ کا تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ہے اور ہر طرح کا رطب و یابس ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

یہ محققانہ تقسیم باعتبار صحت شہرت اور قبول کے کی گئی ہے۔

صحت کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس کتاب کے مصنف نے صحیح حدیثوں کے جمع کرنے کا اس میں التزام کیا ہو۔ اور اگر کوئی حدیث اس درجہ کی نہ ہو۔ اس کے نقص کی بھی تصریح کر دی ہو۔

شہرت سے یہ مقصود ہے۔ کہ ہر زمانے میں ارباب فن نے اسے درس و تدریس میں رکھا ہو۔ اور اس کے تمام مطالب کی شرح و تفسیر اور چھان بین ہو گئی ہو۔

" قبول سے مراد یہ ہے۔ کہ علمائے فن نے اس کتاب کو معتبر اور مستند تسلیم کیا ہو۔ اور کسی نے انکار نہ کیا ہو۔

اب غور کرو کہ قصہ ماریہ قبطیہ کی جتنی روایتیں ہیں۔ وہ نہ تو

روایت کی بھی اسناد صحیح نہیں - آگے چل کر محققین فن کی تصریحات اس بارے میں درج ہوں گی -

(۵) البتہ صرف ایک مبہم و مجمل روایت ہے - جس کے ان روایات کی تقویت کا کام لیا جاتا ہے - اس کے وہ مختلف طریقوں کی بعض محدثین نے توثیق کرنی چاہی ہے - اور صرف یہی روایت ہے - جو قصہ ماریہ قبطیہ میں نسبتاً بہترین اسناد سے سمجھی جاتی ہے - ہم صرف اسی پر نظر ڈالیں گے - اور اس سے ظاہر ہو جائے گا کہ جب بہترین اور اقوی روایت کا یہ حال ہے - تو پھر ان روایتوں اور ان کے اسناد کا کیا حال ہو گا - جن کو خود ان کے حامیوں نے بھی پیش کرنے کے قابل نہ سمجھا -

(قیاس کن زگلستان من بہار مرا)

(روایت مسروق و دارقطنی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب التفسیر کی شرح میں ان تمام روایتوں پر بحث کی ہے - اور جتنے مختلف اسناد سے مروی ہیں - سب کو پیش نظر رکھا ہے -

علی الخصوص جب کہ کتب معتبرہ حدیث مثل بخاری و مسلم ان کے مخالف ہوں گے اور تمام صحاح ستہ خاموش۔

(۳) ان روایتوں میں لم تحرم ما احل اللہ لک۔ اور واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ لیکن امام بخاری و مسلم انھیں آیات کا شان نزول دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی جس حلال شئ کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی نسبت خود حضرت عائشہ کا قول متعدد روایات و اسناد صحیحہ سے موجود ہے۔ کہ وہ شہد تھی۔ نہ کہ ماریہ قبطیہ امام بخاری نے پانچ چھ بابوں میں اس واقعہ کو لیا ہے۔ لیکن کہیں بھی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا واقعہ نظر نہیں آتا۔ پھر ہم اس بارے میں امام بخاری و مسلم اور مصنفین صحاح کی روایت کو تسلیم کریں۔ یا واقدی۔ ابن سعد۔ طبرانی اور طبری کی۔

(۴) قطع نظر اس کے اصول فن کے لحاظ سے بھی یہ روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ طبرانی۔ ابن مردویہ اور ابن جریر وغیرہ نے مختلف طریقوں سے انھیں روایت کیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی

اور واحدی وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں درج کردی ہیں۔ ان کو صرف اس خیال سے نقل کیا ہے۔ کہ جب مسروق والی حدیث معتبر قرار دے لی گئی۔ تو ان روایتوں سے اس کی تقویت کا کام لیا جاسکتا ہے۔ گو نفسان میں سے کسی کی سند بھی قابل اعتنا نہ ہو۔ چنانچہ آخر میں لکھتے ہیں۔

وھذا الطرق کلھا یقوی بعضھا بعضا فیحتمل ان تکون الآیۃ نزلت فی السببین معاً (جلد ۸ صفحہ ۵۰۳) اور یہ تمام مختلف طرق باہم ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں۔ پس یہ احتمال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ کہ سورہ تحریم کی پہلی آیت دونوں واقعوں کے متعلق ایک نازل ہوئی ہو۔

اس قول میں حافظ موصوف نے دونوں واقعات کے باہم تطبیق کی کوشش کی ہے۔ اس کی نسبت ہم آگے چل کر لکھیں گے یہاں صرف اس قدر دکھلانا مقصود ہے۔ کہ تمام روایات ماریہ قبطیہ میں صرف مسروق والی روایت ہی سے حافظ موصوف متاثر ہیں۔ اور دیگر اسناد و طرق کو اس لئے پیش کرتے ہیں کہ روایت مسروق کی ان

واختلف فی المراد بتحریمہ لفی حدیث عائشۃ ثانی حدیثی الباب انی ذالک بسبب شربہ (صلعم) العسل عند زینب بنت جحش ...... ووقع عند سعید بن منصور باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ لحفصۃ لا یقرب امتہ وقال علی حرام (جلد ۸ صفحہ ۵۰۳ مطبوعہ مصر) جس شے کو آنحضرت نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ عائشہ کی حدیث میں جو اس باب کی دوسری حدیث ہے۔ یہ ہے۔ کہ اس کا سبب آنحضرت کا شہد تناول فرمانا تھا۔ جو زینب بنت جحش کے یہاں آپ نے کھایا تھا۔ لیکن سعید بن منصور نے سند صحیح سے جو مسروق تک پہونچتی ہے روایت کیا ہے کہ اس کا سبب وہ قسم تھی۔ جو آنحضرت نے حفصہ کیلئے کھائی تھی۔ کہ اپنی لونڈی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اور وہ مجھ پر حرام ہے۔

حافظ موصوف نے ان تمام روایات میں سے صرف ایک روایت ہی کی توثیق کی ہے۔ اور اسے سند صحیح سے قرار دیا ہے۔ باقی روایتیں جو طبرانی ابن مردویہ اور مسند ہیثم وغیرہ سے مروی ہیں۔ اور عموماً قرطبی

رقاشی وغیرہ روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے حفصہ سے کہا کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ دینا ابراہیم کی ماں مجھ پر حرام ہے۔ حفصہ نے کہا۔ کیا آپ اس چیز کو حرام کرتے ہیں۔ جس کو آپ کے لئے خدا نے حلال کیا ہے روایت کی اسناد صحیح ہے۔ لیکن صحاح ستہ کے جامعین میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ البتہ حافظ ضیا مقدسی نے اپنی مستخرج میں اسے لے لیا ہے۔

دراصل یہ روایت بھی وہی مسروق والی روایت ہے۔ مگر دوسرے طریق سے مروی ہے۔ پس ان تمام روایتوں میں جن میں ماریہ قبطیہ کا حضرت حفصہ کے مکان میں آنحضرت کے ساتھ ہونا۔ ان کا عتاب کرنا اور آزردہ ہونا۔ پھر آنحضرت کا قسم کھانا۔ وغیرہ وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔ صرف ایک یہی روایت ہے جس کے ایک طریق کی حافظ ابن حجر نے اور دوسرے طریق کی حافظ بن کثیر نے توثیق کی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اسناد صحیح سے مروی ہے۔ لہٰذا ان کے علاوہ اور جس قدر طریق ہیں ان کا ذکر کرنا فضول ہوگا۔ کیونکہ ان کی صحت کے متعلق کوئی تصدیق ہمارے سامنے موجود نہیں ہے۔

سے تقویت مزید ہو جاتی ہے۔ پس اس بارے میں عروۃ الوثقیٰ صرف مسروق ہی کی روایت ہے۔

اس روایت کے ایک دوسرے طریق کی حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں توثیق کی ہے۔ اگرچہ وہ خود بھی اس واقعہ کا شان نزول سورہ تحریم ہونا تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ آگے نقل کیا جائے گا۔ چنانچہ حافظ موصوف نے سورہ تحریم کی تفسیر میں حسب عادت وہ تمام روایات نقل کر کے لکھا ہے۔ کہ اس کی سند صحیح ہے۔

قال الہیثم فی مسندہ ثنا ابو قلابۃ عبد الملک بن محمد الرقاشی ثنا مسلم بن ابراھیم (الخ) عن عمر قال قال النبی صلعم لحفصۃ لا تخبری احد... وان ام ابراھیم علی حرام فقالت اتحرم ما احل اللہ لک؟ قال فواللہ لا اقربھا۔ ھذا اسناد صحیح ولم یخرجہ احد من اصحاب الکتاب السنۃ وقد اختارہ الحافظ الضیاء المقدسی دبرجا سیۃ۔ فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۸) ہیثم نے اپنی مسند میں حضرت عمر سے بواسطہ ابن

ان کا بیان ہے - جو بعد کے راویوں نے روایت کر دیا ہے - اس کو اصطلاح حدیث میں "منقطع کہتے ہیں یعنی اس کا سلسلہ آنحضرت تک نہیں پہنچا - ایک ایسی منقطع روایت کو بخاری و مسلم اور کتب صحاح کے متصل اور کثیر الطرق روایات صحیحہ کے مقابلے میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے -؟ یہ کہنا کہ دونوں میں تطبیق متحمل ہے - کسی طرح نہیں - آگے چل کر ہم اسے واضح کریں گے -

رہا اس روایت کا دوسرا طریقہ جس کی حافظ ابن حجر نے توثیق کی ہے تو وہ بھی اپنے اندر کوئی ایسی قوت نہیں رکھتا - جو اسے اس حالت میں قائم کر سکے - جب کہ امام بخاری اور مسلم کی صحیح روایتیں سورہ تحریم کا شانِ نزول دوسرے واقعہ کو بیان کر رہی ہیں - اور تمام کتب صحاح اس کی مؤید ہیں -

اس کے اسناد میں سب سے پہلے جو راوی ہمارے سامنے آتے ہیں - وہ ابو قلابہ عبدالملک بن محمد الرقاشی ہیں حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ان کا ترجمہ لکھا ہے - اس میں شک نہیں کہ متعدد ثقات نے ان کی توثیق کی ہے - اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے -

(روایت مسروق دقاشی کی حقیقت)

اب آیئے اس روایت پر نظر ڈالیں - کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ کہاں تک اعتبار و تسلیم ہے - ؟ اور اس کا اثر اصل واقعہ پر کہاں تک پڑ سکتا ہے -

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے - کہ اس روایت میں نہ تو ماریہ قبطیہ کا ذکر ہے - اور نہ واقعہ کے وہ تمام اہم ٹکڑے منقول ہیں جو امام طبری وغیرہ نے اپنی روایات میں درج کئے ہیں - صرف اس قدر بیان کیا ہے - کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہ سے فرمایا - کہ میں اپنی لونڈی کے پاس نہ جاؤں گا اس کے لئے قسم کھاتا ہوں - پس اگر یہ روایت تسلیم بھی کرلی جائے جب بھی ان تفصیلات کی تصدیق کے قیاس محض کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا:-

ثانیاً اس روایت کا پہلا سلسلہ مسروق تک منتہی ہوتا ہے - مسروق صحابی نہ تھے تابعی تھے - (یعنی انھوں نے آنحضرت کو دیکھا نہیں تھا-) لیکن وہ کچھ نہیں بتلاتے کہ انھوں نے یہ واقعہ کس صحابی سے سنا ؟ اور جس سے سنا وہ کس حیثیت سے بیان کرتا ہے - ؟ صرف

کر دیا ہے۔ جو ابو قلابہ مرتا سی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ان النبی صلعم صلی حتی تورمت قدمہ جیسا کہ حافظ موصوف نے تہذیب میں تصریح کی ہے۔

پس ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو قلابہ کی اسناد میں کثرت خطا وادہام روایت واغلاط متون کی ارباب جرح و تعدیل نے صاف صاف شکایت کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ راوی کی شخصی ثقاہت اور موصوف بالخیر والصلاح ہونا "کما قال الخطیب" کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ جب کہ اس کے حفظ واتقان اور صحت اسناد و متون کے متعلق مخالف تصریحات موجود ہوں اور علی الخصوص ایسے موقعہ پر کہ صرف اسناد کی قوت ہی مطلوب ہے اور دیگر اسناد معتبرہ و مرفوعہ و متصلہ اس کے مخالف ہیں۔

حاشیہ: حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب حال دائرۃ المعارف حیدر آباد نے چھاپ دی ہے، میں نے اسی سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ (دیکھو جلد ۶ صفحہ ۲۲۰)

نیز ابن حجر وغیرہ ان کے حفظ کا اعتراف کرتے ہیں۔ بایں ہمہ دار قطنی جیسے شخص کی ان کی اسناد کے متعلق یہ رائے تھی۔

کثیر الخطاء فی الاسانید والمتون ۔ کان یحدث من حفظہ فکثرت الاوھام فی روایتہ (۱) وہ روایت کی سندوں میں اور حدیث کے اصل الفاظ میں کثرت سے غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ان کا قاعدہ تھا۔ کہ محض اپنے حفظ کی بنا پر حدیث بیان کرتے تھے۔ ان کی روایت میں بہت اوہام پیدا ہو گئے۔

پھر اسی تہذیب میں دار قطنی کا دوسرا قول نقل کیا ہے کہ "لایحتاج بما ینفرد بہ"

آخر میں خود حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

بلغنی عن شیخنا ابی القاسم انہ قال عندی عن ابی قلابۃ عشرۃ اجزاء ما منھا حدیث مسلم امافی اسناد امافی المتن ۔ کان یحدث من حفظہ فکثرت الاوھام فیہ" فتامل

چنانچہ اسی بنا پر بعض محدثین نے اس حدیث سے انکار

(۱) حاشیہ بر صفحہ

کے اس واقعہ کے متعلق کوئی صریح روایت ثابت نہیں ہے۔ علامہ عینی شرح بخاری میں ان تمام روایات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

والصحیح فی سبب نزول الآیۃ انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحیح

(عینی جلد ۹ صفحہ ۵۴۸) اور اس آیت کے شان نزول کی نسبت صحیح روایت یہی ہے۔ کہ وہ شہد کے متعلق ہے۔ ماریہ قبطیہ کے متعلق نہیں ہے۔ جو کتب صحاح کے علاوہ دیگر کتب میں مروی ہے۔

یہی رائے قاضی عیاض کی بھی ہے۔ بلکہ جو الفاظ علامہ عینی نے لکھے ہیں۔ دراصل قاضی موصوف کے ہی ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ان کی رائے انہی الفاظ میں نقل کی ہے۔ خود امام موصوف کی بھی یہی رائے ہے۔

ولم تات قصۃ ماریۃ من طریق صحیح (نووی جلد ۱ مطبوعہ مولانا احمد علی مرحوم ص۴۷۹) اور ماریہ قبطیہ کا قصہ کسی صحیح طریق سے مروی نہیں ہے۔

(قصہ ماریہ اور محققین فن)

(۶) حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی روایت بھی صحیح موجود نہیں ہے۔ جو شان نزول حضرت عائشہؓ نے بیان کر دیا ہے اور جس کو بالاتفاق ائمہ حدیث و اساطین فن نے درج اسفار معتبرہ صحیحہ کیا ہے۔ وہی اصلی اور صحیح واقعہ ہے۔ اور صرف وہی قابل قبول ہے۔

چنانچہ خود حافظ ابن کثیر باوجود رقاشی کی روایت کی توثیق کرنے کے بعد آگے چل کر اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔

والصحیح ان ذالک کان فی تحریمہ العسل کما...

قال البخاری عند ھٰذہ الاٰیۃ (ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۱) اور صحیح ہے۔ کہ سورہ تحریم کی پہلی آیت اس میں نازل ہوئی۔ کہ آن حضرتؐ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جیسا کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

صرف حافظ موصوف ہی پر موقوف نہیں۔ دیگر ارباب نظر و تحقیق نے بھی صاف صاف لکھ دیا ہے۔ کہ ماریہ قبطیہ

اعتبار سے انھیں کوئی وقعت حاصل ہے۔

صرف ایک روایت ہے۔ جس کی اسناد کو صحیح کہا جاتا ہے۔
لیکن اول تو اس میں ماریہ قبطیہ کا قصہ بیان نہیں کیا گیا ہے پھر
اس کی سند بھی منقطع ہے۔ اور روایت منقطع احادیث صحیحہ
مقبولہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتی۔

کما صرح بہ ابن الصلاح فی المقدمۃ والنووی
فی شرح الصحیح) دوسرے طریق کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا
روای کثیر الخطا فی الاسانید والمتون ہے۔

پس ایسی حالت میں ہمارے لئے کون سی مجبوری ہے کہ ہم ان
روایات کے تحفظ کے لئے تطبیق و توجیہ بارد و دور کی زحمت
اٹھائیں۔ اور بے فائدہ احتمالات پیدا کریں۔؟

صاف بات یہ ہے۔ کہ حسب اصول و قواعد فن ان روایات
کا کوئی اعتبار نہیں۔ جب صحیح اور غیر صحیح میں تعارض ہے۔ تو غیر صحیح
کو بلا تامل ساقط کیجیے اس میں تکلف کیوں ہے؟

یہ تو بڑی عجیب بات ہو گی۔ کہ جو تخالف و تعارض ان روایات

ایسی صریح اور صاف تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ماریہ قبطیہ کا قصہ صحیح ہے۔؟

اور کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی بنا پر معترضین اسلام اپنی معاندانہ تلبیس اور ابلیسانہ فریب کاری کے ساتھ اس واقعہ کو ہمارے سامنے بطور حجت اور دلیل کے پیش کریں۔

(تطبیق و توجیہہ)

(۷) رہی یہ بات کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آیت تحریم کے شان نزول میں یہ دونوں واقعات جمع کیے جا سکیں اور کوئی وجہ تطبیق پیدا کی جائے۔

حافظ ابن حجر نے اس کی خفیف سی کوشش کی ہے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ ایسا کرنے کی ہمیں ضرورت ہی کیا ہے۔

ایک واقعہ کے متعلق صاف صاف اور صریح و مستند روایتیں ان کتابوں میں موجود ہیں۔ جن سے زیادہ صحیح اس آسمان کے نیچے حدیث کی کوئی کتاب نہیں۔ ان کے خلاف جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ نہ تو صحاح ستہ میں مروی ہیں۔ نہ اصول فن کے

کہ اس کا سبب ماریہ قبطیہ کا واقعہ بھی تھا۔ اگر سے بھی اس آیت سے
کوئی تعلق ہوتا۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ ایک ایسے اہم سبب
نزول آیت کو بالکل چھوڑ کر محض شہد کے واقعہ کو کیوں بلا وجہ
مقدم رکھتیں اور بیان کرتیں۔ پھر امام بخاری و مسلم اور جامعین
صحاح اربعہ نے اس آیت کے شان نزول کے لئے خاص ابواب قرار
دیئے۔ اور ان میں صرف اسی سبب کو درج کیا۔
کون سی وجہ بیان کی جا سکتی ہے۔ کہ ان تمام سلاطین فن
وائمہ عظمار حدیث نے یکسر اس دوسرے سبب کو چھوڑ دیا۔
اگر کہا جائے کہ کسی وجہ سے یہ واقعہ امام بخاری و مسلم تک
نہیں پہونچا۔ اور جو روائتیں انھیں ملیں۔ وہ ان کی شروط پر نہ تریں۔
اس لئے ترک کر دیں۔ تو اول تو ایسا ہوتا ہی خود ان کی تضعیف
کا کافی ثبوت ہے۔ ثانیاً صرف شروط بخاری و مسلم ہی کا یہاں
سوال نہیں ہے۔ تمام کتب صحاح میں نہ ہونے سے تو ثابت ہوتا
ہے۔ کہ کسی کے نزدیک بھی لائق قبول ثابت نہ ہوئیں۔
ثالثاً یہ واقعہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ایک بہت اہم واقعہ

کے نا قابل قبول ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔
اسی کو ان کے تحفظ کے لئے محرک تطبیق و توجیہ بنایا جائے؟
پھر اس پر بھی غور کرو۔ تطبیق کے لئے جو احتمال پیدا
کیا جاتا ہے۔ وہ کہاں تک موزوں اور قرین اعتبار ہے حافظ
ابن حجر لکھتے ہیں۔

فیحتمل ان تکون الایۃ نزلت فی السببین معاً

یعنی ان دونوں روایتوں کو یوں ملایا جا سکتا ہے۔ کہ شہد کو
حرام کرنے کا واقعہ بھی ہوا ہو گا اور ماریہ قبطیہ کا قصہ بھی پیش آیا ہو گا
سورہ تحریم کی آیات ایک ہی وقت میں دونوں کے لئے اتریں۔
لیکن یہ توجیہہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی
صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایات میں صاف صاف
تصریح ہے۔ کہ آیت تحریم شہد کے واقعہ کے متعلق اتری۔ خود
حضرت عائشہ جن کا اس واقعہ سے حقیقی تعلق ہے۔ اور جو اس کے
لئے اعلم الناس ہو سکتی ہیں۔ صاف صاف فرماتی ہیں کہ
آیت کا شان یہی ہے۔ کہیں اس کا اشارہ تک نہیں ہے۔

(غلط مبحث)

اصل یہ ہے کہ اس واقعہ میں ساری پیچیدگی ایک طرح کے غلط مبحث سے پیدا ہو گئی ہے۔ اور مختلف واقعات کو جو بالکل الگ الگ واقع ہوئے۔ ایک ہی واقعہ کے سلسلے میں ملا دیا ہے۔

سورہ تحریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت سرور کائنات کو کئی واقعات پیش آئے تھے۔

(۱) ازواج مطہرات اور علی الخصوص دو بیویوں کا طلب نفقہ کے لئے مظاہرہ کرنا۔ واذا اسری النبی الی بعض فان اللہ ھو مولاہ۔ الخ۔

(۲) افشاء راز۔ واذا اسری النبی الی بعض ازواجہ

(۳) کسی حلال چیز کا اپنے اوپر حرام۔ لما تحرم احل اللہ لک

یہ تین الگ الگ واقعات ہیں۔ اور آنحضرت کا ایلاء کرنا اور بیویوں سے کنارہ کش ہونا صرف پہلے ہی واقعہ کا نتیجہ ہے افشاء راز کے واقعہ سے اور کسی حلال شئی کو اپنے اوپر حرام کر

تھا۔ کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک ایسے اہم واقعہ کو جس کا قرآن حکیم کی ایک آیت سے تعلق ہو۔ امام بخاری و مسلم و مولفین صحاح نے چھوڑ دیا ہو۔

گذشتہ ازاں۔ ایک ہی آیت کا دو مختلف واقعات کے متعلق اترنا ایک ایسا دعویٰ ہے۔ جو محض احتمالات کی بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ علی الخصوص جب کہ قرآن کریم کی آیت سے دو مختلف واقعات ہونے کا کوئی بھی ثبوت نہیں ملتا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

وفیہ نظر واللہ اعلم (ابن کثیر جلد نمبر ۱ سفحہ ۲۱)

"تسیح مزید"

حقیقت یہ ہے۔ کہ ایلا کا سبب اصلی بجز توسیع نفقہ کی خواہش کے اور کچھ نہ تھا ۔ ازواج مطہرات آرام وراحت کی گودوں سے اٹھ کر حجرۂ نبوت و رسالت کے زہد و فقر میں آئی تھیں ۔ انھیں اپنی تنگی و عسرت بار بار محسوس ہوتی تھی ۔ اور زبانوں سے حرف شکایت بن کر نکلتی تھی ۔ آنحضرت صلی اللہ وعلی ازواجہ وآلہ واصحابہ وسلم) اپنی حسن عشیرت اور فطری شفقت ورحمت کی وجہ سے شکایات سنتے اور خاموش رہجاتے اگر مضمون نہ بڑھ گیا ہوتا ۔ تو میں صحیح مسلم کی ایک اور روایت اس بارے میں نقل کرتا ہوں۔

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آنحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ۔ بعض ازواج مطہرات بھی بیٹھی تھیں پوری مجلس پر سکوت طاری تھا ۔ اور خود حضور کی خاموشی سے ان کے

لینے سے ایلا کو کوئی تعلق نہیں۔

اس کے صریح ثبوت گذشتہ صفوں میں گذر چکے ہیں سب سے بڑا ثبوت خود سورہ تحریم ہے۔ احادیث سے بالاتفاق ثابت ہے۔ کہ جب ایلاء کی مدت ختم ہوئی تو آیت تخییر نازل ہوئی۔

پس اب چاہیئے۔ کہ اسی آیت میں ایلاء کے سبب کو ڈھونڈیں۔ کہ وہ کیا تھا۔؟ کیونکہ ایلا کے سبب اصلی کا جواب اس آیت میں دیا تھا۔ اور آئندہ کے لئے اس کا سد باب کیا گیا تھا۔ جو سبب اس سے معلوم ہوگا وہ ایلاء کے متعلق قرآن کریم کی ایک ایسی داخلی و محکم شہادت ہوگی۔ جس کے بعد کوئی گنجائش این و آں کی باقی رہے گی۔

پس دیکھو کہ کس آیت میں حق سبحانہ نے ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ تمہارے سامنے دنیا اور آخرت دونوں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک چیز کے ہو رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایلا کا سبب قطعاً دنیا طلبی ہی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا... تو ازواج مطہرات کے سامنے آخرت کو کیوں پیش کیا جاتا۔

بات آئی گئی ہو گئی۔

اس روایت سے نیز اس کے دیگر ہم مطلب روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ طلب نفقہ کا ازواج مطہرات کا بہت خیال تھا۔ اور بار بار توسیع کے لئے اصرار کرتی تھیں۔ اس روایت میں صحبت کی خاموشی اور آنحضرت کا تکدر طبع اس امر کا ثبوت ہے کہ ان سے پہلے ازواج مطہرات نے توسیع نفقہ کے لئے اصرار کیا تھا۔ اور آنحضرت اس کی وجہ سے افسردہ طبع تھے۔

یہ اصرار بڑھتے بڑھتے جب اس حد تک پہونچ گیا۔ کہ تمام بی بیوں اور علی الخصوص حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے اس کے لئے ایکا اور مظاہرہ کیا۔ تو آنحضرت کے طبع مبارک پر بہت شاق گذرا۔ اور آپ نے ایلا قسم کھائی۔ عقلاً اور درایتاً بھی۔

حالانکہ ہم نے تمام بحث میں صرف روایتاً نظر ڈالنا ہی کافی سمجھا ہے، ایک ایسی کنارہ کشی اور علیحدگی کے لئے یہی سبب اصلی اور حقیقی ہو سکتا ہے۔

طبع مبارک کی افسردگی - اور تکدر کا پتہ چلتا تھا - حضرت عمر نے چاہا - کہ کسی طرح حضور کی افسردگی دور ہو۔

عرض کی۔

یارسول اللہ - اس وقت ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو بڑا ہی پر لطف تھا - میری بیوی نے مجھ سے نفقہ طلب کیا - اور لگی اصرار کرنے - میں بے ساختہ اٹھا - اور جھٹ اس کی گردن پکڑ کے دبا دی -

آنحضرت یہ سن کر بے ساختہ ہنس پڑے پھر فرمایا کہ یہ جو میرے پاس بیٹھی ہیں (ازواج مطہرات) یہ بھی وہی چیز نفقہ طلب کرتی ہیں ــــ

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر دونوں غصے میں آگئے۔ بے اختیار پکار اٹھے - کہ اپنی اپنی (صاحبزادیوں یعنی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ) کو ماریں - انھوں نے کہا کہ تم اللہ کے رسول سے وہ چیز مانگتی ہو - جو اس کے پاس نہیں ہے -؟

آنحضرت نے اس قدر سختی کرنے سے انھیں روکا - اور

تتمہ واقعہ ایلاء

ان مضامین کی اشاعت کے بعد دہلی کے ایک بزرگ نے حضرت مولانا سے پھر اس بارے میں ذیل کے چند سوالات کئے ہیں۔

(۱) یہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت نے حضرت حفصہ کے کہنے سے شہد پینے اوپر حرام کرلیا ہو۔ اس کی مزید توضیح کرنی چاہئے۔

(۲) حضرت عائشہ پر الزام سازش کا اور آنحضرت کو اذیت دینے کا عاید ہوتا ہے۔ جس سے ازواج مطہرات کو پاک ہونا چاہئے۔

مخالفین، منکرین، اور معاندین شیاطین نے اس غلط بحث سے یہ فائدہ اٹھایا۔ کہ ایلاء کا سبب ماریہ قبطیہ کا قصہ قرار دے دیا۔ اور پھر اس سے یا اس سے یہ استدلال کیا کہ آپ کی زندگی میں (نعوذ باللہ) ایسے ناگفتہ بہ واقعات پیش آتے تھے۔ جن کی وجہ سے تمام بی بیاں ناراض ہو ہو جاتی تھیں۔ اور آپ ایک مہینے تک ان سے روٹھ کر خانہ نشین رہتے تھے آپ کے دوست کے مسیحی معلم نے بھی اس فریب سے کام لیا ہے۔

"الھلال"

واللہ یعلم انھم لکاذبون ط

ـــــــــــــ تمت ـــــــــــــ
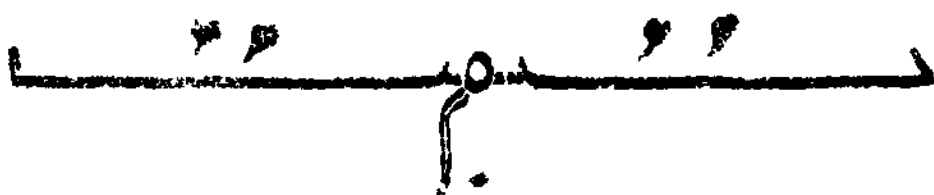
عقل نہیں معلوم ہوتی۔ اور پھر اگر ایسا ہوا بھی ہو تو ایک معمولی کھانے پینے کی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھالینا کون سی ایسی بڑی بات تھی۔ جس کی وجہ سے خدا نے تنبیہ ضروری سمجھی۔ اور ایک خاص آیت نازل کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ضرور وہ کوئی بڑی ہی اہم بات ہوگی۔ اور وہ یہی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لینا ہے

لیکن یہ شبہات بھی صرف اسی دماغ میں جگہ پا سکتے ہیں۔ جو نیز حضرت سید المرسلین وخصائص نبوت عظیمہ و مصالح و اسرار شریعت ووجوہ تنزیل کلام الٰہی و احکام دینیہ سے واقف نہ ہو ورنہ فی الحقیقت یہ امر بالکل واضح و بین قرین عقل و روایت ہے۔

آنحضرت صلعم کا شہد کے لئے قسم کھانا کچھ بھی خلاف عقل نہیں ہے جب کہ روایات صحیحہ سے معلوم ہوگیا ہے کہ اس بارے میں تمام بیویوں نے ایکا کر لیا تھا۔ اور ایک ہی چیز کے متعلق ایک ہی زمانے میں۔ ایک ہی انداز سے سب نے شکایت کی تھی۔ امام بخاری کی تمام روایات کو جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس

(۳) سائل نے مسیحی معترض کا قول نقل کیا تھا - کہ آنحضرتؐ اس واقعہ کی وجہ سے اس قدر آزردہ ہوئے - کہ ایک ماہ تک گھر سے نہ نکلے جناب نے اس کا کوئی مدلل جواب نہیں دیا -

حضرت مولانا نے ان کا جو جواب شائع فرمایا - وہ درج ذیل ہے -

اظہار لطف کے لیے شکر گذار اور مستدعی دعا ہوں - جناب نے غالباً خیال کیا - کہ یہ بحث ختم کر دی گئی - حالانکہ ابھی باقی تھی - عدم گنجائش کی وجہ سے پچھلی اشاعت میں بقیہ ٹکڑا نہ نکل سکا - جن سوالات کو جناب نے لکھا ہے - اس عاجز نے خود ہی ان کو ضروری سمجھا تھا - اور ان پر مستقل عنوانات سے نظر ڈالی تھی - چنانچہ بقیہ ٹکڑا آج درج کیا جاتا ہے - اسے ملاحظہ فرمالیں - (واقعہ تحریم شہد کی اہمیت)

ایک معترض یہ شبہ پیدا کر سکتا ہے کہ تم قصہ ماریہ سے انکار کرتے ہو اور جو چیز آنحضرت صلعم نے اپنے اوپر حرام کی تھی - اسے بجائے لونڈی کی جگہ شہد بتلاتے ہو لیکن دل تو محض بوئے مغافیر کی شکایت کرنے سے شہد نہ کھانے کی قسم کھا لینا کون سی ایسی بڑی بات تھی جو قرین

ایسی اہمیت تھی۔ کہ خدا کو آیت نازل کرنی پڑی۔ اور لم تحرم ما احل اللہ لک؟ کے الفاظ میں آپ کو متنبہ فرمایا سو یہ شبہ احکام شریعت کے اصول و مصالح جاننے والوں کی زبان سے تو کبھی نہیں نکل سکتا۔ شریعت الٰہی ایک قانون ہے جو بہت سے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ اور بہت سی چیزوں سے روکتا ہے۔ قانون کا تمام تر دارومدار اصول (پرنسپل) پر ہے۔ اور اسکی ہر فرعی اور ہر جزئی سے جزئی بات کا بھی اثر اس کے اصل اصول پر پڑتا ہے۔ مانا کہ شہد فی نفسہ کوئی اہم چیز نہ تھی۔ لیکن کیا قانون الٰہی کی حلال کردہ شے کو کسی انسان کی خوشی کے لیے اپنے اوپر حرام کر لینے کی نظیر بھی اہم و دقیع نہ تھی۔

اللہ سبحانہ نے دیکھا کہ آپ نے حلال شے کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ اس نظیر کا اثر شریعت کے عام قانون حلت و حرمت میں پڑے گا۔ آپ کا وجود شریعت کا عملی پیکر اور اسوہ حسنہ ہے۔ اس نظیر کی وجہ سے احکام الٰہی کی قطعیت مشتبہ ہو جائے گی۔ اور لوگ حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہیں کر سکتے۔ اور

تدبیر میں تمام بیویاں شریک کرلی گئی تھیں۔ کتاب الطلاق والی روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ نے سب کو اطلاع دیدی اور سب سے پہلے حضرت سودہ نے اظہار کیا۔

پس ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم یکے بعد دیگرے تمام بیویوں سے سے ہونگے۔ ان میں سے سب نے شکایت کی ہوگی کہ مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ تشریف فرما رہتے تھے۔ اور نہ شہد تناول فرمایا تھا۔ آپ تو سمنبوت سے سمجھ گئے ہوں گے۔ اس شکایت کی تہ میں رقابت کا جذبہ محبت مخفی ہے۔ ازواج مطہرات سے آپ کمال محبت و شفقت فرماتے تھے۔ اور عورتوں کے ساتھ عموماً آپ کا سلوک نہایت رضاجوئی اور سلوک و تسامح کا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ان کی خوشی کے لئے آپ نے قسم کھائی ہوگی۔ کہ اگر ایسا ہی ہے۔ تو لو میں اب شہد کبھی نہ کھاؤں گا۔

اس میں تعجب و انکار کی کون سی بات ہے۔

رہی یہ بات کہ محض کھانے پینے کی ایک چیز میں کون سی

اور اسے اس کی جناب میں وسیلۂ تقرب و عبادت سمجھتے تھے۔

قل من حرم زینة اللہ التی اخرج العبادة والطیبات من الرزق۔ (۷: ۳۱)

اے پیغمبر کہ دے کہ یہ جو جوگیوں اور راہبوں نے خدا کی پیدا کردہ نعمتوں اور لذتوں اور عمدہ غذاؤں کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔ تو کون ہے۔ جو ان لذتوں اور نعمتوں کو حرام کرسکتا ہے۔ جنہیں خدا نے اپنے بندوں ہی کے برتنے اور تمتع اٹھانے کے لئے پیدا کیا ہے۔

یہ اسلام کا ایک بڑا اصولی کارنامہ ہے۔ پس چونکہ اس واقعہ میں بھی ایک ایسی جائز اور حلال و مفید و نافع غذا کو اپنے اوپر حرام کرلیا گیا تھا۔ جو خدا نے انسانوں کے لئے حلال کردی ہے۔ اس لئے اس کا اثر ضمناً اسلام کے اس رہبانیت شکن قانون پر بھی پڑتا ہے۔ اور ضروری تھا۔ کہ اس کی تصحیح کردی جائے۔

جو کھانے پینے کی چیزیں اس نے اپنے بندوں کے لئے حلال کردی ہیں۔ وہ ہر حال میں حلال ہیں۔ تاکہ اس نظر کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اور قانون پر اس کا اثر نہ پڑے۔

پھر اس واقعہ سے یہ سوال بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کہ اگر کوئی شخص ایسا کر بیٹھے۔ تو اس کے لئے شریعت کا حکم کیا ہوگا؟ کیا واقعی اس کے حرام کر لینے سے وہ حلال کردہ شئی اس پر حرام ہو جائے گی۔؟ اس کو بھی صاف کر دینا قانون کی تکمیل و حفظ کے لئے ضروری تھا پس خدا نے صاف کر دیا کہ ہر معاہدہ ہر قسم اور ہر وعدہ جو قانون شریعت کے خلاف ہو۔ شریعت کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ تم ہزار کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لو۔ لیکن چونکہ قانون الٰہی نے تم پر حرام نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ کبھی حرام نہ ہو گی۔

اس میں ضمناً یہ پہلو بھی ملحوظ تھا۔ کہ اسلام نے انسان کے لئے جائز اور غیر مضر لذتوں اور راحتوں کا دروازہ بالکل کھول دیا ہے۔ اس نے دیگر قوموں اور مذہبوں کی اس غلطی کو جائز نہ رکھا جو خدا کی پیدا کردہ جائز لذتوں کو انسانوں پر حرام کر دیتے تھے۔

کہ رشک و رقابت کے قدرتی جذبے کی بھڑک سے مجبور ہوجایا کرتیں۔

ان کے باہمی رشک کے دیگر واقعات بھی مروی ہیں اور صحیحین میں موجود ہیں۔ خود حضرت عائشہ پر نظر خاص رکھنے کا تمام ازواج کو گلہ رہتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سیدۃ النساء اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ازواج کی طرف سے بھیجی گئی تھیں۔ کہ آنحضرت سے بمقابلہ عائشہ یکساں محبت و نظر کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ صحیح مسلم کے باب فضل عائشہ میں خود حضرت عائشہ سے متعدد روایات اس بارے میں مروی ہیں اور لکھا ہے کہ حضرت زینب رضہ نے تمام ازواج کی طرف سے ان لفظوں میں پیام پہنچایا تھا کہ

ان ازواجک ارسلتنی الیک یسالنک العدل فی ابنۃ ابی قحافۃ۔

بہرحال اسی رشک و رقابت کے جذبے نے حضرت عائشہ کو بیتاب کردیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم زینب بنت جحش کے یہاں معمول سے زیادہ تشریف رکھتے ہیں۔ اور اسی جوش

(حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ)

خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ نیز دیگر ازواج مطہرات کے لئے کیا یہ جائز تھا۔ کہ وہ آنحضرت صلعم حضرت زینبؓ کے ہاں زیادہ بیٹھنے سے باز رکھنے کے لیے اس طرح کی سازشیں کرتیں۔ اور جھوٹ موٹ مغافیر کی بو کا قصہ گھڑ لیتیں؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جذبۂ رقابت و غبطہ و رشک عورتوں کی طبیعت میں داخل ہے۔ اور جہاں محبت ہوتی ہے وہاں رشک کا قدم ضرور ہی آتا ہے۔

(با سایہ ترا نمی پسندم)

عورتوں کو اس بارے میں خود شریعت نے معذور رکھا ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے بدلنے پر قادر نہیں۔ ازواج مطہرات صحابہ کرام کے خاندان میں رہنے اور صحبت و رفاقت نبوت کی وجہ سے یقینا اپنے تمام اعمال و جذبات میں مزکی و مطہر تھیں تاہم عورت تھیں۔ محبت کرنے والی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو آنحضرت کے عشق و فریفتگی پر ناز تھا۔ اور مزد رتھا۔

سی باتیں ایسی کر بیٹھتا ہے۔ پھر ان کا مقصود اس سے کچھ آنحضرت کو اذیت پہونچانا نہ تھا۔ صرف دوسری بی بیوں کے مقابلہ میں ایک تدبیر تھی۔ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے ساتھ رشک وغیرت میں آکر کیا کرتی ہیں۔

(آنحضرت کی عزلت گزینی)

آپ کے دوست کے مسیحی معلم نے کیسی سخت شیطنت کی ہے۔ جب کہ بیویوں کی ناراضگی کا آپ کو اس قدر صدمہ ہوا۔ کہ ایک مہینہ تک اپنی کوٹھڑی سے باہر نہ نکلے؛

اوّل تو ایک ماہ تک آپ کا بیویوں سے علیحدہ رہنا محض طلب نفقہ کی وجہ سے تھا۔ نہ کہ واقعہ تحریم کی وجہ سے۔ پھر یہ کہنا کہ آپ اپنی کوٹھڑی سے ایک ماہ تک بالکل باہر نہ نکلے۔ اور اس عزلت گزینی کا سبب ازواج سے ناراضگی کو قرار دینا تو سرتاسر افترا محض اور بہتان عظیم ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ نہ تو آپ نے اس طرح کی خلوت گزینی اختیار کی اور نہ ایلا کے لیے اس کی ضرورت تھی۔ علی الخصوص

میں آکر انھوں نے یہ تدبیر گھڑی اور دیگر بی بیوں کو بھی شریک کر لیا۔ پس اس واقعہ کو محض اخلاقی صدق وکذب اور قانونی اصول شہادت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ خاص حالات اور اس کے اطراف پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔

علامہ عینی کی نظر بھی اس خدشہ پر پڑی تھی۔ چنانچہ شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔

فان قلت کیف جاز لعائشة الکذب والمواطاة التی فیھا ایذاء رسول اللہ صلعم؟ قلت کانت عائشة صغیرة مع انھا وقعت منھا من غیر قصد الایذاء بل علی ما ھو من جبلة النساء فی الغیرة علی الضرائر

(عینی، جلد ۹، صفحہ ۴۹۵)

اگر کوئی کہے کہ حضرت عائشہ کیلئے یہ کیونکر جائز تھا۔ کہ وہ جھوٹ بولے۔ اور آنحضرت کے خلاف ایک طرح کی سازش کریں جس میں آپ کو تکلیف پہنچے۔ تو اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ اول تو حضرت عائشہ کم سن تھیں۔ کم سنی میں انسان بہت

وہیں نماز جماعت بیٹھ کر پڑھائی۔

اب آپ غور کیجئے۔ کہ واقعہ کی اصلیت کیا ہے۔ اور اسے معاندین شیاطین کس صورت میں پیش کرتے ہیں۔؟

(تائید مزید)

یہاں تک لکھ چکا تھا۔ کہ ایک نئی کتاب کا پارسل پہونچا۔ قاضی ابوبکر ابن العربی الماندلسی کی احکام القرآن اپنے موضوع میں ایک بہترین کتاب ہے اور بعد کی تصنیفات کا ماخذ مشہور حال میں مولائی حفیظ سابق سلطان ۔ مراکش نے اپنے صرف سے اسے مصر میں چھپوا دیا ہے۔ اور میرے پاس آگئی ہے۔ شکر ہے اللہ مساعیہ مجھے نہایت خوشی ہوئی۔ کہ قاضی موصوف کو بھی روایات قصہ ماریہ کی نسبت وہی رائے ہے۔ جو علامہ عینی اور نووی وغیرہ کی ہے۔ چنانچہ تمام روایات کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

نماز کی جماعت اور اس کے قیام سے آپ کو کون شی روک سکتی تھی - ۹ چونکہ اس زمانے میں آپ گھوڑے سے گر گئے تھے اور ساق مبارک پر چوٹ لگ گئی تھی - اس لئے کچھ عرصہ تک اپنے کوٹھے میں ہی تشریف فرما رہے -

امام بخاری نے باب الصلوٰۃ فی السطوح والمنبر والخشب میں حضرت انس بن مالک کی روایت درج کی ہے - عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلعم سقط عن فرسہ فجحشت ساقہ او کتفہ وآلیٰ من نسائہ شہراً فجلس فی مشربۃ لہ درجتہا من جذوع النخل فاتاہ اصحابہ یعودونہ فصلی بہم جالساً وھم قیام -

الخ - (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ ص۵۶)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت (صلعم) نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کے لئے ایلا کیا تھا - اسی زمانے میں آپ کے ساق مبارک پر چوٹ لگ گئی - اور آپ نے اپنے کوٹھے میں مقیم ہو گئے - صحابہ عیادت کے لئے آئے - تو

وانما الصحیح انه کان فی العسل وانه شربه عند زینب وتظاهرت علیه عائشة وحفصة فیه وجری ماجری (جلد ۲ - ص۲۷۲)

اور دراصل صحیح یہی ہے کہ آیہ تحریم کا شان نزول شہد کا واقعہ ہے۔ اسے حضرت زینب کے ہاں آپ نے پیا تھا اس پر حضرت عائشہ وحفصہ نے مظاہرہ کیا اور وہ سب کچھ پیش آیا۔ جو معلوم ہے۔

تمت بالخیر